

1304

● काले वाक्यात मूळी: ●	
पुस्तक क्र...	98/26
भाग...	२२३३✓
मिथि...	८-२-२००४
गुरुकुल कांगड़ी कॉलेज.	

पुस्तकालय
गुरुकुल कांगड़ी
श्रीता कामपात्री
रामराम
मोहरीशैलाल शैल

CHECKED 1973
Initial

द्विक प्रमाणीकरण ११५४-११५४

[Handwritten signature]





ادب

گیتا گیان

المعروف

روح معرفت

مُصَنَّف

چودھری روشن لال ایم اے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر

پیشہ

بھگت بہاری لعل جگیا سو ایدیر ویش بھگت

مقام

قیمت ۶ روپے آنے

تعداد ۲۰۰۰

بار اول

نوٹ - گیتا پرچار کی خاطر کتاب کی قیمت لاگت کے برابر رکھی گئی ہے

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	نام مضمون	نمبر شمار
	دیباچہ	
۱	از قلم مجتہد بہاری لال جی جگیا سو	۱
۸	تب	۲
۱۴	بھوگ سے روگ پیدا ہوتا ہے	۳
۲۲	تپوں راج - راجوں نرک	۴
۲۸	ہندوستانیوں میں تربیت کی کمی	۵
۳۵	پرکرتی اور کرم میں سبندھ	۶
۴۱	من کا جیتنا ہی سچھی بہادری ہے	۷
۴۶	ہمت کر کے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا	۸
۵۱	سب سے قیمتی چیز وقت ہے	۹
۵۶	لگاتار کوشش کر	۱۰
۶۲	مشاورت پرک تپ	۱۱
۶۷	گورو سیوا - صفائی - سہرتا	۱۲
۷۲	برہم چریہ کی برکت	۱۳
	برہم چریہ اور لوگ ابھیا س	

صفحہ نمبر	نام مضمون	نمبر شمار
۷۷	برہم چربیہ اور بھگوت درشن	۱۴
۸۲	اہنسا	۱۵
۸۷	اہنسا پر مو دھرم	۱۶
۹۴	زبان کے تپ	۱۷
۹۹	میٹھا بول	۱۸
۱۰۵	میٹھے الفاظ پتھر کو بھی موم کر دیتے ہیں	۱۹
۱۱۰	سچائی	۲۰
۱۱۵	من سا چا - مکھ سا چا	۲۱
۱۲۰	ہننگدین	۲۲
۱۲۵	سوا دھیائے	۲۳
۱۳۱	جپ سے زبان کی شدھی	۲۴
۱۳۷	کرت کرت ابھیا س	۲۵
	جڑا مت ہوت سبجان	
۱۴۳	من بڑا چنل ہے -	۲۶
۱۴۹	ابھیا س کی دیا کھیا	۲۷
۱۵۵	من کے تپ	۲۸
۱۶۱	من کی پرستتا	۲۹
۱۶۷	دیکھنے کو نوجواں ہوں طبع نل ناداں میں بھی ہوں	۳۰

صفحہ نمبر	نام مصنون	نمبر شمار
۱۷۲	شانختی اور مومن	۳۱
۱۷۸	مومن کو دشمن میں کرنے کا سادھن	۳۲
۱۸۳	پریم گلی آتی سنگڑی	۳۳
۱۸۹	اِس میں دو نہ سما ہیں	۳۴
۱۹۴	بھگوت پراپتی میں عرصہ لگ سکتا ہے	۳۵
۲۰۰	شدھ بھادونا	۳۶
	تین پرکار کا تپ	
	ساتوک - راجبک - تامسک	

دیباچہ

چودھری روشن لال جی ایم۔ اے۔ پی۔ سی۔ ایس کے دیش بھگت
 اخبار میں شائع شدہ مضامین کا ایک حصہ پہلے گیتا پرکاش کے نام
 سے چھپ چکا ہے۔ اب دوسرا حصہ گیتا گیان کے نام سے شائع کیا جا
 رہا ہے۔ گیتا پرکاش کو پبلک میں جو شاندار مقبولیت حاصل ہوئی
 ہے۔ اس کا نمایاں ثبوت یہ ہے کہ مختصر سے عرصہ میں اس کتاب کے
 دو ایڈیشن شائع ہوئے۔ پہلے ایڈیشن کی ۲۰۰۰ جلدیں چھپوائی گئیں
 جو ہاتھوں ہاتھ اٹھ گئیں۔ پبلک کی زبردست مانگ کے پیش نظر دوسرا
 ایڈیشن ۸۰۰۰ کی تعداد میں نکلا۔ ادنیٰ بھاری ذخیرہ بھی اب ختم ہونے
 کو ہے۔

بھگوت گیتا کی مقدس تعلیم کو واضح کرنے کے لئے بے شمار لوگوں
 نے قلم آزمائی کی ہے۔ لیکن اس پاک موضوع پر چودھری صاحب
 نے جس خوبی و عمدگی سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ کچھ اپنی کا حصہ ہے
 زبان بہت سادہ اور رس بھری۔ ہر ایض بیان نہایت صاف اور سلجھا

ہوا۔ پھر اس کے ساتھ شعر و شاعری کی چاشنی جس سے مفاہین میں اس قدر دل چسپی۔ شیرینی اور تاثیر پیدا ہو گئی ہے کہ پڑھنے والے کے ذہن میں خود بخود اترتے چلے جاتے ہیں۔ چودھری صاحب کی مصنفانہ حیثیت کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ وہ اردو اور فارسی کے زبردست عالم ہونے کے باوجود اپنے خیالات کو نہایت آسان زبان میں قلمبند کرتے ہیں تاکہ عوام بخوبی سمجھ جائیں۔ کیونکہ جو کچھ وہ لکھتے ہیں۔ عوام کے لئے ہی لکھتے ہیں۔ اور اس مقصد عزیز کے لئے وہ ان لوگوں کے اعتراضات کی بھی جو محض زبان کے چٹھارے لینے کے شوقین ہیں۔ پرواہ نہ کرتے ہوئے کبھی کبھی گرامر اور فصاحت کے اصولوں کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور ادبی خامیوں کو بھی گوارا کر لیتے ہیں۔

ہمارے خیال میں بھی جو کتاب میں محض عوام کی اصلاح کے لئے لکھی جائیں۔ ان کے لئے یہی طرزِ تحریر مناسب و سوزوں ہے۔ چنانچہ یہی وہ وصف ہے جس سے چودھری صاحب کی تصانیف عوام کے دلوں میں گھر کر چکی ہے۔ اور اسی باعث آج ان کو مصنفین کے طبقہ میں ایک امتیازی پوزیشن حاصل ہے۔

جھگوت گیتا کی تعلیم کے کچھ حصہ پر گیتا پرکاش میں روشنی ڈالی گئی ہے اور کچھ حصہ پر گیتا گیان میں۔

گیتا گیان میں شریا، باقی اور من کے تپ یعنی جسم، زبان اور نفس کی ریاضتیں بیان کی گئی ہیں۔ اور ان باتوں کو اس قدر کھول کر بیان

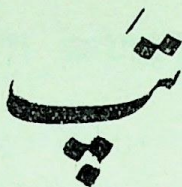
کیا گیا ہے۔ کہ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد پھر ان مسائل کے متعلق کسی دوسری کتاب کے دیکھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

کامل اُمید ہے۔ کہ یہ کتاب بھی گیتا پرکاش کی طرح پبلک میں ہر دلعزیزی حاصل کرے گی۔ اور ہندو بھائی اس کے مطالعہ سے فائدہ اٹھائیں گے۔

آخر میں یہ ذکر کر دینا بھی مناسب ہو گا۔ کہ ان کتابوں کی اشاعت کا مقصد کچھ مالی فائدہ اٹھانا نہیں ہے۔ بلکہ محض بھگوت گیتا کی اعلیٰ تعلیم کو ہندو بھائیوں میں پھیلانے کے لئے یہ سند اشاعت جاری کیا گیا ہے۔ اس لئے ہر کتاب کی قیمت اس کی لاگت کے برابر رکھی جاتی ہے۔

بہاری لعل جگیا سو

اوم شری پرماستے نہ



شرید بھگوت گیتا کے اٹھارہویں ادھیائے میں بھگوان سری
کرشن چندر جی مہاراج ارجن جی سے کہتے ہیں۔

यज्ञो दानं तपश्चैव पावनानि मनीषिणाम् ।

۱۸
۵
یگیو۔ دایم۔ تپش۔ چو۔ پادوانی۔ من۔ ایشی نام
ارکھ۔ اے ارجن! یگ۔ دان اور تپ من ایشی لوگوں کو
بھی پوز کرنے والے ہوتے ہیں۔ من ایشی سے مراد وہ لوگ
جنہوں نے اپنے من کو قابو میں کر لیا ہے۔
جب ایسے لوگوں کو بھی یگیہ۔ دان اور تپ پوز کر دیتے ہیں۔
تو سادھارن لوگوں کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

دان کے بارے میں میں اپنی کتاب ”گیتا رتن“ میں
کافی وضاحت سے لکھ چکا ہوں۔ اس کتاب کے پڑھنے والوں
کی خدمت میں تپ کے متعلق چند خیالات پیش کرتا ہوں۔

بھگوت گیتا کے ساتویں ادھیائے میں بھگوان اپنی دھرتیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

तपश्चास्मि तपस्विषु

تپش - چاسمی - تپسوی - شو ॥
 ارہمہ - اے ارجن ! تپسویوں میں تپ میں ہوں۔ پرما تپ
 روپ ہیں اور تپ بھگوان کی دھرتی ہے۔ ان کا جلال ہے۔
 تپ سے مراد تپنا یعنی ریاضت۔ انگریزی میں اسے ڈسپلن
 (Discipline) کہتے ہیں۔ اپنے آپ کو ایک کڑے ضابطہ میں
 رکھنے کا نام تپ ہے۔ مثال کے طور پر تھوڑا کھانا اور وقت پر
 کھانا۔ تھوڑا سونا۔ وقت پر سونا اور وقت پر جاگنا۔ تھوڑا بولنا اور ٹیٹھا
 بولنا وغیرہ۔ یہ سارے تپ ہیں۔

اغلب ہے کہ پڑھنے والوں کے دل میں خیال پیدا ہو کہ یہ
 تپ تو چننا مشکل نہیں ہیں۔ ناں لفظ پڑھ لینا آسان ہے
 مگر ان پر عمل کرنے سے بہت چل سکتا ہے کہ ظاہر طور پر یہ آسان نظر
 آنے والے تپ بھی دراصل بہت مشکل ہیں۔ تھوڑے بولنے
 کو ہی لیجیے۔ کتنے شخص ہیں جو ضرورت سے زیادہ نہیں بولتے
 جو بات کے پوچھے جانے پر ہی بولتے ہیں اور جوہنی کہ ان کا
 مطلب ادا ہو جاتا ہے۔ خاموش ہو جاتے ہیں۔ کثرت تعداد ان

آدمیوں کی ہے جو دن رات بولتے رہتے ہیں۔ اگر وہ کسی سمجھا یا
 سوسائٹی میں بیٹھے ہوں تو ان کو خواہش لگی رہتی ہے کہ وہ بولتے
 رہیں۔ اور لوگ ان کی باتیں سننے میں ہیں تاکہ اور کسی آدمی کو بولنے
 کی باری ہی نہ ملے۔ تھوڑا بولنا اور ضرورت سے زیادہ نہ بولنا
 یہ تپ ہے۔ اور پڑھنے والوں کی خدمت میں یہی پدارتھ ہے
 کہ اس پر چند دن عمل کر کے دیکھیں۔ ان کو معلوم ہو جائے گا کہ
 یہ ایسی آسان بات نہیں ہے جتنی کہ شروع میں نظر آتی ہے۔
 فارسی کے مشہور شاعر شیخ سعدی صاحب کا فرمان ہے۔

بیدلش دانگہ برآورد نفس
 وزاں پیش بس کن کہ گویند بس

مطلب۔ فرماتے ہیں۔ پہلے بات کو سوچو اور پھر منہ سے
 بولو۔ اور پیشتر اس کے کہ لوگ کہیں کہ بس کرو۔ پھر خود بخود چپ ہو
 جاؤ۔

اگلے شعر میں فرماتے ہیں۔ ۵
 بہ نطق آدمی بہترست از دواب
 دواب از توبہ گرنہ گوئی صواب

مطلب۔ انسان حیوان پر اس لئے فضیلت رکھتا ہے
 کہ وہ باتیں کر سکتا ہے اور حیوان باتیں نہیں کر سکتا مگر جس انسان
 کو بات کرنے کا سلیقہ ہی نہ آتا ہو۔ اُس سے تو حیوان بہتر ہے۔

ہندوستانیوں کے لئے زبان پر قابو رکھنا ایک بڑی ہی کٹھن بات ہے۔ ان کا تو دستور بن چکا ہے کہ جو کچھ اچھا یا بُرا خیال ان کے دل میں پیدا ہوا فوراً ہی اُسے اُگل دیتے ہیں۔ اس کے مقابل میں انگریزوں کو دیکھئے۔ حقوڑا بولتے ہیں۔ ضرورت کے مطابق بولتے ہیں اور جوہنی ان کا مطلب ادا ہو جاتا ہے۔ زبان کو روک لیتے ہیں۔ یہ کس قدر خوبی کی بات ہے۔ فضول باتیں کرنا کوئی قابلیت کی نشانی نہیں ہے۔ وہی تنباہی بولتے رہنا انسان کی پست تربیت کو ظاہر کرتا ہے۔

حقوڑا بولنے کی طرح حقوڑا کھانا بھی ایک طور کا تپ ہے ہمارا تو یہ دستور بن چکا ہے کہ گویا یہ زندگی لذیذ اور چٹا سے دار کھانوں کے لئے ہی ملی ہے جوہنی کوئی لذیذ کھانا ہمارے سامنے آیا پھر ہمارے لئے ماتھے کا روکنا ناممکن ہو گیا۔ اتنا کھا گئے کہ پیٹ پھول گیا۔

ہندوستانیوں کی اس نازیبا عادت کا ذکر کرتے ہوئے مولینا حالی صاحب لکھتے ہیں۔

جو کھانے پہ آئیں تو کھا جائیں
انٹنا لگے پیٹ پھٹنے پھر اپنا پھر کے

زیادہ کھانا بہت ہی گندی عادت ہے۔ یہ اس بات کا مکمل ثبوت ہے کہ ہم ابھی زبان کے ذائقے کے تابع ہیں اور لذیذ کھانوں کی بھیننی بھیننی خوشبو کی کشش کو ہم نہیں روک سکتے۔ یہ

جیوانیت کی نشانی ہے۔ حیوان کے آگے بھی جس قدر گھاس اورو
دانہ آجائے وہ ختم کر دیتا ہے۔ اسی طرح وہ انسان جس کا معیاد
زندگی پیٹ پوچھا یعنی بشکم پروری ہے وہ بھی پورا حیوان ہے۔ اگرچہ
اس کی شکل انسانوں کی سی ہے۔

زیادہ کھانے کے بارے میں شیخ سعدی صاحب فرماتے ہیں۔

خوردن برائے زلیستن و ذکر کردن است

تو معتقد کہ زلیستن برائے خوردن است

ترجمہ۔ کھانا کھانے کی غرض یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کو قائم
رکھ سکے۔ یعنی اپنے پران کی حفاظت کر سکے اور زندہ رہتا ہوا اپنے
مالک۔ پروردگار۔ سرور و شکیں پر ماتما کا بھجن کرے۔ اے جاہل انسان!
تو کس غلطی میں پڑ گیا ہے تو یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ لذت کھانوں کا کھانا
ہی زندگی کا مقصد ہے۔ یہ تمہاری بڑی بھاری بھول ہے۔

اسی طرح ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

نہ چنداں بخور کند دانت بر آید

نہ چند آ نکہ از ضعف جانت بر آید

مطلب۔ اس قدر مت کھا کہ کھانا تمہارے منہ سے پھر
باہر نکل آئے البتہ اتنا مقوڑا بھی نہ کھا کہ کمزوری سے تمہاری جان
ہی نکل جائے۔ اور لاغر ہو کر تم مر جاؤ۔

اعتدال کا کھانا سب سے اہم ہے۔ اعتدال سے کٹے

ہوئے سارے کام افضل ہیں۔ مگر کتنے انسان ہیں جو اعتدال کو بد نظر رکھتے ہوئے اپنے کام کرتے ہیں۔ ہندوستانی تو انتہا پسند ہیں۔ اگر کسی کام کو نہیں کریں گے تو ہاتھ تک نہیں لگائیں گے اور کرنے پہ آمیش گئے تو اس کے ہی ہو رہیں گے یا تو دھن دولت سے اس قدر پیار کریں گے کہ دھڑی دھڑی کے لئے جان دیں گے اور اگر تنیگ پہ آجائیں گے تو گھر بار۔ دھن دولت۔ مال و جائیداد۔ بیوی بچے تک چھوڑ کر جنگل کا راستہ لے لینگے اور فاقی اختیار کر لیں گے! انتہا پسندی کے یہ دو طریقے اچھے نہیں ہیں۔ اعتدال کا راستہ ہی سب سے اعلیٰ راستہ ہے۔ اعتدال کے راستہ کو مہاتما بڈھ نے بہت سراہا ہے اور اسے *Golden Path* یعنی سنہری راستہ کہا ہے۔

شرمید بھگوت گیتا کے چھٹے ادھیائے میں بھی بھگوان فرماتے

ہیں :-

नात्य श्रतस्तु योगोऽस्ति न चैकान्तमन श्रतः
न चाति स्वप्रशीलस्य जाग्रतो नैव चार्जुन ॥

نہ۔ اتی۔ اشن۔ تتر۔ یوگو۔ استی۔ نہ۔ چہ۔ ایکانتم۔ ان۔ اشنا
نہ۔ چہ۔ اتی۔ سوپن۔ شیل۔ اسیہ۔ جاگر تو۔ نیو۔ چہ۔ ارجن ۶/۱۶
ارکھ۔ اے ارجن! نہ تو بہت کھانے سے لوگ ہلتا ہے اور

نہ بالکل نہ کھانے سے یوگ حاصل ہوتا ہے اسبطرح نہ بہت سوتے رہنے سے اور نہ بہت جاگتے رہنے سے ہی یوگ پراپت ہے بلکہ

युक्ताहारविहास्य युक्तचेष्टस्य कर्मसु ।

युक्तस्वप्नावबोधस्य योगो भवति दुःखहा ॥

یکت - آہار - وہار - اسیہ - میکت - چشٹس - کر سوسو
 یکت - سوپنا - بودھسیہ - یوگو - بھوتی - دکھما ۴/۱۷
 ارکھ - اے ارجن! مناسب طور پر یعنی اعتدال سے
 کھانا - اعتدال سے کاروبار کرنا - اعتدال سے کرموں کی چھٹیا کرنا
 اعتدال سے سونا اور اعتدال سے جاگنا - اس طریقہ سے ہی یوگ
 پراپت ہوتا ہے جو کہ دکھوں کا ناش کرنے والا ہوتا ہے -

اعتدال پسندی یا میانہ روی یعنی درمیانہ راستے کا اختیار
 کرنا تپ کہلاتا ہے - اس کی برکت - اس کی عظمت - اس کی بزرگی
 اس کی مہاں کا احساس تب ہوتا ہے جب انسان کئی دن - کئی
 مہینے اس پر عمل کر کے دیکھے -

اوم شرم

اوم سٹری پر ماتنے منہ

بھوک سے روک پیدا ہوتا ہے

پچھلے مضمون میں لکھ آئے ہیں کہ اعتدال پسندی یا میانہ روی بہت ہی مرغوب راستہ ہے۔ انتہا پسندی میں سراسر تکلیف اور دکھ ہے۔ اعتدال کی زندگی ضابطے کی زندگی ہے اور سکھ کا باعث ہوتی ہے۔ چنانچہ اعتدال کے راستے کو سنہری راستہ کہا گیا ہے۔ اور اسی کو ہی تپ کہتے ہیں۔ تپ بھوک کا آلٹ ہے۔ بھوک سے روک یعنی بیماری پیدا ہوتی ہے اور تپ سے سکھ پراپت ہوتا ہے بھوک سے اندریاں یعنی حواسِ خمسہ آخر میں کمزور پڑ جاتے ہیں۔ اور اُن کا نتیجہ گھٹ جاتا ہے۔ تپ سے اندریوں کا نتیجہ بڑھ جاتا ہے اور اندریاں بلوان ہو جاتی ہیں۔ مثلاً دیکھنے کی طاقت کو لیجیے۔ بھوک سے بینائی کمزور پڑ جاتی ہے۔ تپ سے بڑھ جاتی ہے اسی طرح بھوک سے قوتِ حافظہ گھٹ جاتی ہے اور تپ سے بڑھ جاتی ہے۔

کھٹ آپ نشہ میں آیا ہے :-

आत्मानं रथिनं विद्धि शरीरं रथमेव तु ।
बुद्धिं तु सारथिं विद्धि मनः प्रग्रहमेव च ॥

آتماں - رتھنم - ودھی - شریرم - رتھم - ایو - تو
مبدھم - تو - سار بھتم - ودھی - منہ - پر گرہم - ایو - چہ
ارکھ - آتما کو تورتھ والا جان - جسم کو رتھ سمجھ - مبدھی یعنی عقل
کو کوچان جان اور من کو لگام سمجھ -
اس سے آگے کا منتر ہے :-

इन्द्रियाणि हयानाहुविषयांस्तेषु गोचरान् ।
आत्मेन्द्रियमनोयुक्तं भोक्ते त्याहुर्मनीषिणाः ॥

اندریائی - ہیان - آہو - وشیان - تیشو - گوچران
آتم - اندریے - منو یکتھم - بھوکت - اتی - آہو - منیشیاناں
ارکھ - اندریاں یعنی حواس خمسہ رتھ کے گھوڑے ہیں -
و شے رستے ہیں - اور آتما اندریوں اور من سے ہل کر وشیوں کا
بھوگ کرتا ہے -

اندیاں ہمارے جسم و دہنی رتھ کے گھوڑے ہیں اور من
لگام ہے - لہذا جب تک لگام اور گھوڑے قابو میں نہیں ہوں گے
تب تک زندگی کی منزل کا خیریت سے طے ہونا مشکل ہے - تب تک نہ جسم کو

آرام مل سکتا ہے اور نہ آتا سکتی ہو سکتا ہے۔ اندریوں اور من کو قابو کرنا تپ کہلاتا ہے یہ بہت ہی کھٹن بات ہے۔ مگر بھیا س سے سہل ہو جاتی ہے۔

شتر مید بھکوت گیتا کے تیسرے ادھیائے میں بھگوان فرماتے ہیں :-

तस्मात्त्वमिन्द्रियाण्यादौ नियम्य भरतर्षभ ।

पाप्मानं प्रजहि ह्येनं ज्ञानविज्ञाननाशनम् ॥

تہا ت۔ تو م۔ اندریاں ٹی۔ آدو۔ نیمید۔ بھرت۔ شتر
پاپمانم۔ پرچھی۔ ہی اشتم۔ گیان و گیان ناشتم
ارٹھ۔ اے ارجن! پہلے تو اندریوں کو دوش میں کر اور کام۔ کر دھو
کو مار جو گیان اور و گیان کے ناش کرنے والے ہیں۔

اندریوں کے قابو کرنے کے بغیر گیان ناممکن ہے جس طرح کہ آن بندھے ہوئے گھوڑے کو ٹانگے میں جو تنے سے منزل طے کرنا ناممکن ہے۔ بلکہ جیسے آن بندھے ہوئے گھوڑے کو جو تنے سے ٹانگے کا نقصان ضروری ہوتا ہے۔ اور کو چوان کو بھی چوٹ لگنے کا خطرہ لگا رہتا ہے۔ اسی طرح اندریوں کے قابو میں نہ ہونے سے گیان و گیان کی پراپتی کا تو کیا کہنا ہے۔ معمولی طور پر زندگی بسر کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے ضروری ہے کہ انسان کی اندریاں دوش میں

ہوں۔ اب ذرا غور کر کے دیکھیں کہ ہماری اندریاں قابو میں ہیں یا نہیں۔
زبان کو ہی سے لیجیے۔

انسان کو زبان عطا ہوئی ہے کہ پر ماتا کا بھجن کرے۔ اس سے
اپنے مالک کا شیش گائے اور اس کے نام کا جپ کرے۔ اپنے ہمایوں
سے میٹھا بو لے۔

چنانچہ شیخ سعدی صاحب فرماتے ہیں
کنزنت کہ امکان گفتار بہت بگوئے برادر بہ لطف و خوشی
کہ فردا چوں پیکر اہل در رسد بحکم ضرورت زباں در کشی
مطلب۔ اے انسان! اب جو تم میں بات کرنے کی طاقت ہے
نہیں چاہیے کہ نرمی اور مٹھاس سے باتیں کرو۔ کل جب موت کا فائدہ
تہارے پاس پہنچ جائے گا تو نہیں عبور ہو کہی زبان بند کرنی پڑے
گی۔ لہذا جب تنگ متہارے منہ میں زبان ہے اور نہتیں بو لئے
کی طاقت ہے۔ طاقت اور نرمی سے باتیں کرو۔

مگر کیا ہم لوگ مٹھاس سے۔ پیار سے۔ آلفٹ سے باتیں کرتے
ہیں۔ نہیں۔ ہم تو زبان سے کرخت۔ کڑوی اور جبری باتیں کرنے کے
عاوی ہیں۔ ہمسائے سے بات کریں گے تو ترششی سے۔ کسی مویشی
کو مانگیں گے تو گالی نکال کر۔ پیٹھ پر کسی شخص کا ذکر کریں گے تو اس کا
متسخر اڑائیں گے۔ اس کی ہند یا کریں گے۔ اس کی غیبت میں ہیں
برا ہی لطف آنا ہے گویا غیبت سے کوئی خزانہ مل جاتا ہے۔

میں نے عام طور پر لوگوں کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ ہون۔ سذہیا
 یادہرم پستکوں کے پڑھنے کے لئے وقت نہیں ملتا۔ مگر ان لوگوں کے
 پاس دوسروں کی زندیا اور شکایت کرنے کے لئے اور سننے کے
 لئے وقت ہے۔ دوسروں کی زندیا بڑی پیاری لگتی ہے۔ اور اس کے
 ہوتے ہوئے نہ تو رونی یاد رہتی ہے نہ نیند آتی ہے اور نہ وقت کی قلت محسوس
 ہوتی ہے آپ سوچیں کہ کیا کان اسی مطلب کے لئے ہیں کہ لوگوں کی پغلی
 اور شکایت سنیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ کان تو اس واسطے انسان کو عطا
 ہوئے ہیں کہ ان سے پر ماتا کا بھن سنیں۔ دھرم پستکوں کو سنیں
 اور اپنے جیون کو سچل بنائیں۔

اسی طرح آنکھیں انسان کو عطا ہوئی ہیں۔ کہ رشی مہاتماؤں کے
 درشن کریں۔ ان کے استعمال سے دھرم پستکوں کو پڑھیں۔ مگر ہماری
 آنکھیں تو ہمسائے کی بہو بیٹیوں کو تاکنے کے لئے ہی ہیں۔ یارستہ
 پر جاتی ہوئی عورتوں کو گھور کر دیکھنے کے لئے۔ یہ آنکھوں کا کس قدر
 ناجائز استعمال ہے۔ اسی کو تو بھوگ کہتے ہیں۔ انوس کہ ہماری عقل
 اس قدر اٹھی پڑ گئی ہے کہ ہمیں اپنے نفع اور نقصان کا ٹھیک ٹھیک
 وچار نہیں رہا۔ جو بات ہمارے نقصان کا باعث ہے۔ اپنی کم عقلی سے
 ہم اس سے پیار کرتے ہیں اور اس کی خواہش کرتے ہیں اور جو بات
 دراصل ہمارے فائدے کے لئے ہے مگر شروع میں تھوڑی سی
 مشکل محسوس ہوتی ہے وہی ہمیں ناپسند ہے۔

بھوگ کا انجام تباہی اور بربادی ہے مگر ہمیں بھوگ پسند ہے۔
برعکس اس کے تپ کا انجام سکھ اور ترقی ہے۔ مگر کیونکہ تپ شروع میں
قدرے مشکل لگتا ہے۔ اس واسطے ہمیں تپ سے نفرت ہے اور
تپ کے جیون سے گریز ہے۔

شرمید بھگوت گیتا کے اٹھارویں ادھیائے میں بھگوان فرماتے
ہیں کہ جو سکھ شروع میں کڑوا اور اخیر میں میٹھا ہو وہ ساتوک سکھ ہے
اور جو سکھ شروع میں میٹھا اور اخیر میں کڑوا ہو وہ راجسی سکھ کہلاتا ہے
تپ سے ساتوک سکھ پیدا ہوتا ہے اور بھوگ سے راجسی سکھ پیدا
ہوتا ہے۔ تپ کا جیون دیوتاؤں کا خاصہ ہے اور بھوگ کا جیون
راکشسوں اور انسانوں کا۔

اوم شرم

اوم شری پرما تے منہ

پتوں راج - راجوں نرک

پچھلے مضمون میں لکھ آئے ہیں کہ تپ بھوگ کا اُلٹ ہے
 بھوگ شروع میں میٹھا لگتا ہے مگر اس کا اخیر ضرور کڑوا ہوتا ہے
 تپ شروع میں کڑوا لگتا ہے۔ مگر اس کا اخیر ضرور میٹھا ہوتا ہے بھوگ
 کا انجام تباہی و بربادی ہے اور تپ کا انجام بہتری اور ترقی ہے
 بھوگ اخیر میں دکھ پیدا کرتا ہے مگر تپ سکھ کا باعث ہوتا ہے بھوگ
 رجوگن سے پیدا ہوتا ہے اور تپ ستوگن سے۔

پنجابی زبان میں کہاوت ہے ۵

پتوں راج - راجوں نرک

یعنی تپ سے راج ملتا ہے اور راج ملنے کے بعد بھوگ بھو گئے
 سے نرک نصیب ہوتا ہے۔ جب تک ایک انسان تپ کرتا رہتا ہے
 وہ ترقی کے زینے پر چڑھتا چلا آتا ہے جو نہی وہ تپ کو گھٹا کر بھوگوں
 کے بھوگنے کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے
 ٹھیک یہی حال قوموں کا ہے۔ جس قوم کا جیون تپ کا جیون ہے وہ

ہمیشہ دوسری قوموں سے آگے رہے گی۔ برعکس اس کے جس قوم میں
بھوک کا آرام پسندی کا۔ عیش و عشرت کا جیون ہے وہ ضرور گر
جائے گی۔

قدرت غیر جانبدار طور پر قوموں اور آدمیوں کا تماشہ دیکھ رہی

ہے۔
شرمید بھگوت گیتا کے نویں ادھیائے میں بھگوان فرماتے ہیں

उदासीनवदासीनमसक्तेषु कर्मसु ॥

اُداسین و ت۔ آسینم۔ آسکتُم۔ تینشؤ۔ کرُم سو۔ ۹
الکھ۔ ہے ارجن! سرشتی کا ویسا چلانے میں میں اُداسین اور
اناسکت ہوں۔ یعنی بے تعلق ہوں۔ بزکیش ہوں غیر جانبدار ہوں۔
فٹ بال کے میچ میں ریفری اُداسین ہو کر بے تعلق ہو کر
بزکیش ہو کر اپنی ڈیوٹی ادا کرتا ہے جو ٹیم گول کر دے گی نہ لیفری اس
کے حق میں سیٹی بجا دے گا۔ یہی حال قدرت کا ہے۔ قدرت
کسی شخصیت کی بھی طرفدار نہیں ہے اور نہ کسی خاص شخصیت کے
برخلاف ہے۔ وہ تو انسانوں کے اعمال کے مطابق ان کے کرداروں
کے انوسار اپنا فیصلہ دے رہی ہے۔ جو شخص فتح کا مستحق ہے
اس کو فتح نصیب ہوتی ہے اور جو شخص شکست کا مستحق ہے
اس کی مار ہو جاتی ہے۔ تپ کا جیون رکھنے والا انسان فتح کا

حقدار ہے اور اس کی فتح ضرور ہو کر رہتی ہے۔ اسی طرح بھوگ کا
 جیون رکھنے والا شخص شکست کا حقدار ہے اور ضرور اس کو شکست
 نصیب ہوگی۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے۔ مغلیہ خاندان کا پہلا بادشاہ بابر
 تپ کا جیون رکھنے والا تھا۔ اس نے ہندوستان کے بڑے بڑے
 دریا تیر کر عبور کئے تھے۔ اس کے مقابلے میں ابراہیم لودھی عیاش
 تھا۔ چنانچہ پانی پت کے میدان میں حالانکہ لودھیوں کی فوج مغلوں
 کے مقابل میں آٹھ گنا تھی مگر چونکہ مغل زیادہ جفاکش تھے
 لودھی مار گئے۔ اور ہندوستان کا تخت بابر بادشاہ کے ہاتھ آیا۔
 بابر کے بعد اس کا بیٹا ہمایوں تخت پر بیٹھا۔ ہمایوں اپنے باپ کی
 بہ نسبت زیادہ آرام پسند تھا۔ چنانچہ شیر شاہ سوری نے جو کہ ہمایوں
 سے زیادہ جفاکش تھا۔ ہمایوں کو ہندوستان سے نکال دیا۔ اور خود
 تخت پر بیٹھ گیا۔ شیر شاہ سوری جب تک تخت پر بیٹھا رہا۔ ہمایوں
 کو ہندوستان میں قدم رکھنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ جب شیر شاہ سوری
 فوت ہو گیا۔ تو اس کا لڑکا تخت پر بیٹھا۔ مگر کیونکہ وہ اپنے باپ کے
 مقابلے میں کچھ لیاقت نہیں رکھتا تھا۔ ہمایوں نے پھر سے دہلی
 کے تخت پر قبضہ کر لیا۔

یہ چند ایک مثالیں ہیں۔ جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ تپ کا
 جیون رکھنے والے ہمیشہ بھوگ بھوگنے والوں پر ضرور غالب آ

جاتے ہیں۔

اس وقت انگریز دنیا کے پانچویں حصے پر حکومت کر رہے ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ قوم تپ کے جیون کی مثال ہے۔ انگریز اپنی خوبیوں کی بدولت ہی دنیا میں سب سے بڑی سلطنت قائم کئے ہوئے ہیں۔ ان کی وقت کی پابندی کو ہی لے لیجیے۔ گھڑی کا صحیح استعمال تو یہی لوگ کرتے ہیں۔ اگر دس بجے دفتر پہنچنے کا وقت ہے۔ تو پورے دس بجے ہی وہاں پہنچ جائیں گے۔ مگر ان کے مقابل میں ہندوستانی افسروں کو لے لیجیے۔ ٹھیک وقت پر دفتر میں پہنچ جانے میں یہ اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔ آدھ گھنٹہ۔ پون گھنٹہ جب تک دیر سے نہ پہنچیں۔ ان کو افسری کا لطف ہی نہیں آتا۔ یہ کس قدر سبک کی تکلیف کا باعث ہے۔ اس بات کا ان لوگوں کو کوئی احساس نہیں۔ بلکہ یہ لوگوں کو انتظار کرانے میں ہی خوشی محسوس کرتے ہیں اسی میں ہی اپنی عظمت سمجھتے ہیں۔

اسی طرح انگریزوں کی میٹنگ کا جو وقت مقرر ہوگا۔ ٹھیک اسی وقت ان کی کارروائی شروع ہو جائے گی۔ مگر ہندوستانی اصحاب اگر ۸ بجے جلسے کا وقت مقرر کریں گے تو مشکل سے ۹ بجے لوگ آنا شروع کریں گے۔ اور کہیں ۹ ۱/۲ بجے یا دس بجے جا کر کارروائی شروع ہوگی۔ اس سے صاف پتہ چل سکتا ہے کہ ہندوستانی کہاں تک تپ یعنی ضابطے کا جیون گزارتے ہیں۔

پبلک کی ضیافتوں پر اکثر دیکھا گیا ہے کہ ہمارے ملک کے لوگ وقت پر پہنچنا عار سمجھتے ہیں۔ بلکہ دعوت دینے والے سے پوچھ لیا جاتا ہے کہ وقت دیسی ہے یا انگریزی۔ دیسی وقت سے مراد یہ ہے کہ ایک آدھ گھنٹہ دیر سے آنے میں کوئی مضائقہ نہیں اگر میزبان نے کہہ دیا کہ انگریزی ٹائم ہے تو بس یقین ہو گیا کہ پانچ منٹ بھی دیر سے نہیں پہنچا۔ ورنہ وقت پیش آئے گی۔ ہندوستانی جتنا بڑا آدمی ہو گا۔ اتنا ہی دیر سے پہنچے گا۔ دیر سے پہنچا ہی اس کے خیال میں امیری و بزرگی کی نشانی ہے۔

ہم لوگ تو اپنے وقت اور ساتھ ہی دوسروں کے وقت سے کھیلے ہیں۔ یہ ہمارے غیر تپتوی جیون کا ثبوت ہے۔ منہ سے نو بجے کا وقت مقرر کرتے ہیں مگر پہنچتے ہیں گیارہ بجے۔ یکس قدر وعدہ شکنی ہے اور اس کی انتظار دوسرے شخص کو کتنی ناگوار گزرتی ہے مگر اس ملک میں وقت کی پابندی کی عادت کیونکہ بہت ہی تھوڑی ہے اس لئے اس کی گرفت بھی نہیں کی جاتی مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عام لوگ کیونکہ ایک کام کو کرتے ہیں اس لئے عموماً اکام اچھا ہے یا اگر ایک عادت عوام میں پھیل گئی ہے۔ تو وہ عادت اچھی ہے ہرگز نہیں۔ بُری عادت بُری ہی رہتی ہے۔ چاہے ساری دنیا ہی اس کی پیروی کیوں نہ کرتی۔ انگریزوں کے دن کے کھانے کا وقت مقرر ہے۔ دفتر میں جانے کا وقت مقرر ہے۔ چائے کا وقت مقرر ہے۔ کلب جانے کا وقت

مقرر اور رات کے کھانے کا وقت مقرر ہے۔ دُنیا میں جہاں بھی انگریز میں شام کے ۵ بجے چائے کی میز پر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد کلب میں پہنچ جاتے ہیں۔ اُن کے وقت کی تقبیم ایسی خوبی سے ہوئی ہوئی ہے کہ عقل و نگ رہ جاتی ہے۔ طرفہ تریہ کہ وہ لوگ اپنے دن کے پروگرام کو بڑی سہولیت سے اور شوق سے نبھاتے ہیں۔ یہ اُن کی سچتہ ڈسپلین (discipline) کا نتیجہ ہے۔ یہ ان کے تپ کے جیون کی نشانی ہے۔

مگر ان کے مقابلے میں ہندوستانی گھروں کو لے لیجیے صبح سے چولہے میں آگ جلتی ہے تو رات کے بارہ بجے تک جلتی ہی رہتی ہے۔ گھر کے آدمیوں میں سے ایک اگر دس بجے کھانا کھانے کا عادی ہے۔ تو دوسرا ایک بجے کا۔ بچے اور عورتیں تو دن میں کئی بار کھانے کے عادی ہیں۔ اور پھر اُن کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ اس بقیاعدگی کا نتیجہ بدانتظامی اور خرچ کی زیادتی ہوتی ہے۔ سلیقے کے نہ ہونے سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ جہاں انگریزوں کا سارا کنبہ آدھ گھنٹے میں کھانا کھا کر فارغ ہو جاتا ہے۔ وہاں ہندوستانی کنبہ تین چار گھنٹے لگا دیتا ہے۔ اس میں کس قدر وقت بیدردی سے ضائع ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ وہ شخص لگا سکتے ہیں جن کو وقت کی قدر کا احساس ہوتا ہے۔ ایسے جیون میں تپ کی بہت کمی ہے اور تپ کے نہ ہونے سے شخصی اور قومی

ترقی بند ہو جاتی ہے اور زوال زور پکڑ جاتا ہے
 اچھی عادت ایک دن میں نہیں بن جاتی۔ اس کے لئے سال
 لگتے ہیں۔ میرے ایک اینگلو انڈین دوست مجھے بتایا کرتے تھے
 کہ اُن کے ہاں جو ہنی بچہ پیدا ہوا اُس کی ڈسپلن مضابطہ شروع ہو جاتی
 ہے۔ وقت پر ہی اُسے دودھ پلایا جائے گا اور وہ بھی مقررہ مقدار
 میں۔ شروع شروع میں بچہ بے وقت چیز مانگتا ہے۔ اور نہ ملنے پر
 روتا ہے۔ مگر آہستہ آہستہ مضابطے کا عادی ہو جاتا ہے۔ انگریز بچوں
 کی تربیت اس سلیقہ سے ہوتی ہے کہ بڑے ہو کر اُن کو مضابطے کی
 پیروی کرنے میں کسی قسم کی وقت نہیں ہوتی۔ بلکہ مضابطے کے خلاف
 چلنے سے انہیں وقت ہوتی ہے۔ میرے دوست نے مجھے
 مثال دیتے ہوئے مٹیا کہ اگر بچے نے آکر ماں سے کہا مٹھائی
 دو تو ماں کہتی ہے کہ گھنٹہ بعد آنا۔ تب تہیں مٹھائی ملے گی۔ تم
 نے یوں کیوں نہیں کہا۔ کہ ماں مہربانی کر کے مٹھائی دو۔ لہذا
 گھنٹہ کے بعد جب بچہ نے آکر کہا۔ کہ ماں! مہربانی کر کے مٹھائی
 دو۔ تو ماں نے اس کو مٹھائی دے دی۔ مٹھائی لے کر جب بچہ
 جانے لگا۔ تو اُس کو واپس بلا کر ماں نے اُس سے مٹھائی واپس
 لے لی۔ اور کہا کہ تم نے مٹھائی لے کر شکریہ ادا کیوں نہیں کیا
 اس واسطے اس وقت تہیں مٹھائی نہیں مل سکتی۔ گھنٹے کے بعد
 آکر مٹھائی لے جانا۔ چنانچہ جب بچہ پھر مٹھائی لینے آیا۔ تو اس

نے ہسٹائی لے کر عزت کے ساتھ ماں کا شکریہ ادا کیا۔ ایسے طریقوں سے آہستہ آہستہ بچے کی خوب تربیت ہو جاتی ہے اور بڑا ہو کر یہ باتیں اس کی فطرت بن جاتی ہیں۔

اوم شرم

پوستکالای
گورکھول کنگری

اوم شری پرماننے منہ

ہندوستانیوں میں تربیت کی کمی

پچھلے مضمون میں لکھ آئے ہیں کہ انگریز کس طور پر بچپن سے ہی اپنے بچوں کی تربیت کرتے ہیں۔ اور شروع سے انہیں اس طرح ضابطے کی زندگی کا عادی بنا دیتے ہیں کہ بعد میں وہی عادت پاک کران کی فطرت بن جاتی ہے اور ان کو ضابطے کا جیون بتانے میں کسی قسم کی دقت نہیں ہوتی بلکہ ضابطے میں ہی انہیں فرحت محسوس ہوتی ہے۔

اس کے مقابلے میں ہندوستانی بچوں کو لیجیے۔ عام ہندوستانی والدین صرف بچے پیدا کرنا ہی جانتے ہیں۔ ان کی تربیت میں بالکل دلچسپی نہیں لیتے۔ بلکہ اکثر والدین تو اپنے بچوں کی تربیت کرنے کے قابل ہی نہیں ہوتے۔ ہندوستانی والدین کا اپنا طرز زندگی کسی ضابطے میں نہیں ڈھلا ہوا ہوتا۔ چنانچہ وہ بھجور ہیں۔ وہ کس طرح اپنے بچوں کی زندگی ضابطے میں ڈھال سکتے ہیں۔ بمصدقہ او خوشن گم است کہ را رہبری کند

یعنی جو خود غلط راستہ پر چل رہا ہو۔ وہ دوسرے کی رہنمائی کیا کرے گا۔

ہندوستانی والدین جب تک آپ تپ کا جیون اختیار نہ کریں۔ بچوں کو تپ کے جیون کی طرف کس طرح مائل کر سکتے ہیں۔ بچہ پیدائش کے وقت صاف سلیٹ کی مانند ہوتا ہے۔ اس پر جو کچھ لکھنا چاہیں لکھ سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ بچے کے ساتھ پچھلے جنموں کے سنسکار نہیں ہوتے۔ جنم جنمانتروں کے سنسکار وہ اپنے ساتھ پیدائش کے وقت لے آتا ہے مگر یہ سنسکار دبئی ہوئی صورت میں ہوتے ہیں۔ اور پھر بڑپچے میں اچھے اور بُرے قسم کے سنسکار ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ پیدائش کے بعد والدین کے تعلق سے یہ سنسکار پھر سے ظاہر ہونا۔ ابھرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر والدین کا اثر نیک۔ تو نیک سنسکار زور پکڑ جائیں گے۔ اگر والدین کا اثر بُرا تو بُرے سنسکار نمودار ہو جائیں گے۔

اس واسطے تو کہا گیا ہے
چوب تر را چنانکہ خواہی پیچ
نشود خشک جز با تش راست

مطلب۔ گیلی لکڑی کو جس طرح سے موڑیں مڑ جاتی ہے مگر خشک لکڑی آسانی سے نہیں مڑ سکتی۔ بلکہ جلانے سے ہی

موڑی جاسکتی ہے۔

بچپن میں جس طرح بچے کی تربیت کر دیں بچہ فوراً اسی تربیت کو قبول کر لیتا ہے۔ مگر بعد میں اس کا سدھانا مشکل ہو جاتا ہے۔ سفید کپڑے پر جو نارنگ چڑھا دیں۔ بہت ہی صفائی سے چڑھا جاتا ہے مگر رنگ بگڑنے کو دوسرے رنگ میں رنگنا مشکل ہو جاتا ہے بلکہ جب تک پہلا رنگ اچھی طرح سے دھل نہ جائے۔ دوسرا رنگ چڑھ ہی نہیں سکتا۔

والدین چاہیں تو اپنے بچوں کو فرشتہ سیرت بنا سکتے ہیں۔ اور چاہیں تو شیطان خصلت بنا سکتے ہیں۔ ننھے بچے ہمارے ہاتھوں میں اس طرح سے ہوتے ہیں۔ جیسے کہ ہمارے ہاتھ میں مٹی کی کھوہی۔ کہہ رہے ہیں۔ چاہے تو اس مٹی سے مٹکا بنا دے چاہے تو گھڑا بنا دے چاہے تو کوئی اور خوبصورت برتن بنا دے۔ اس مٹی کا مستقبل کہہ رہے ہیں۔ اور لیاقت پر مبنی ہے۔ ٹھیک یہی حال چھوٹے بچوں کی تربیت کا ہے۔ ان کو سونایا لوبا بنانا ہمارے اپنے ہاتھ میں ہے۔ نیپولین بونا پارٹ فرانس کا سب سے قابل اور جابنا زجریل ہو گزرا ہے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میں جو کچھ بھی ہوں اپنی ماں کی بدولت سے ہوں۔ نیپولین جب بچہ تھا۔ تو ماں اسے فوجی انسٹروں کے کانامے اور بہادریوں کا ذکر سنایا کرتی تھی۔ اس طرح آہستہ آہستہ بچے میں تاثرات یعنی سنسکار پڑتے گئے۔ لہذا جب وہ بڑا ہوا تو سب

سے بڑھ چڑھ کر بہادر اور فوجی قابلیت رکھنے والا تھا۔ نیپولین کہا کرتا تھا کہ بچے کی پہلی استاد اُس کی ماں ہوتی ہے وہ اسے جس قسم کا بنانا چاہے۔ بنا سکتی ہے۔

ہندوستانی بچے عام طور پر لاڈلے اور خود سر ہوتے ہیں۔ خاص کر امیروں کے بچے۔ اس کی وجہ اُن کے والدین ہی ہوتے ہیں والدین خود اپنے بچوں کو لاڈلانا ہوتا ہے۔ اور ان کی ہر جا و بیجا خواہش کو پورا کر دینے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ ان کی بگڑی ہوئی عادت بعد میں ان کے لئے معیبت کا سامان ہو جائے گی۔

عام طور پر ہندوستانی والدین بچوں کو مٹھائی کی طرف راغب کرتے ہیں۔ جو بھی بچہ کسی وجہ سے رونے لگا۔ ماں نے مٹھائی کھلا کر اس کو چُپ کرادیا۔ بچے کو احساس ہو گیا کہ زور زور سے رونا ہی مٹھائی حاصل کرنے کا یا کوئی دیگر اپنی بات منوانے کا سب سے عمدہ طریقہ ہے۔ چنانچہ وہ اس ہتھیار کو بڑی قابلیت کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔ اور جب تک اُس کو منہ مانگی چیز نہیں مل رہتی وہ روتا ہی رہتا ہے۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ہندوستانی بچے نے آکر ماں سے مٹھائی مانگی۔ ماں نے کہہ دیا کہ اس وقت فرصت نہیں یا گھر میں مٹھائی نہیں رکھی۔ تھوڑی دیر کر کے آنا۔ اسی بات پر بچہ بگڑ گیا اور ماں کو پدیا شروع کر دیا۔ گالیاں دینے لگا۔ یا زیادہ غصہ آیا تو زمین

پر ہی لیڈنا شروع کر دیا۔ اور اپنی قیمتی پوشاک کو مٹی میں ملا دیا۔ ماں کو
آخر اس سے مطلوبہ چیز دے کر بھیجا جھپٹا رہی بنتی ہے۔
جو والدین بچوں کی ہر خاموشی کو پورا کرتے جاتے ہیں۔ وہ دراصل
اپنے بچوں سے دشمنی کر رہے ہیں۔ بچے لاڈ لے ہو کر بعد میں والدین
کے لئے وبال جان ہو جاتے ہیں اور اپنے لئے بھی دکھ کا باعث
بنتے ہیں۔ بچپن میں پڑی ہوئی عادتیں بڑی مشکل سے بدلتی ہیں۔
اردو کا ایک شعر ہے ۵

جو تاگوں کا سنے رسا تو اس کا ٹوٹنا مشکل
جو عادت ہو گئی بچی تو اس کا چھوٹنا مشکل

والدین کا بچا لاڈ بچے کے حق میں سخت بُرا پھل لانے والا
ہوتا ہے چنانچہ دانا ماں باپ اپنے بچے کو شروع سے ہی ایسے
رستے پر لے جاتے ہیں کہ بعد میں اس کے لئے زندگی کی جدوجہد
بہت ہی آسان ہو جاتی ہے۔ اور وہ دنیا میں سُرخ روہتے ہیں۔
شیخ سعدی صاحب اپنی کتاب گلستاں میں ایک حکایت
بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک بادشاہ نے اپنے لڑکے کو سکول میں پڑھنے
کے لئے بھیجا۔ چاندی کی تختی اس کی بغل میں دی۔ اور اس تختی پر
سنہری لفظوں میں لکھ دیا ۵

”جو ارِ استاد بہ زہرِ پدر“

یعنی استاد کا ظلم باپ کی محبت سے بہتر ہے۔

اُستاد کا ظلم تو بچے کو انسان بنادے گا۔ مگر باپ کی محبت اُسے آرام پسند اور لاڈلا بنادے گی۔ اور ضروری ہے کہ جس لڑکے نے اُستاد کی سختی اور مار پیٹ نہیں دیکھی وہ ضرور زمانہ کی سختی اور مار پیٹ کا شکار بنتا ہے۔

چنانچہ فارسی کا ایک شعر ہے۔

ہر آں طفل کو جو بر آموزگار

نہ بیند۔ جفا بیند از روزگار

مطلب۔ جو لڑکا اپنے اُستاد کا ظلم نہیں دیکھتا وہ دُنیا کا ظلم دیکھتا ہے۔ جس نے اُستاد کا تھپیڑ نہیں کھایا۔ وہ ضرور زمانہ اور دُنیا کے تھپیڑ کھائے گا۔

ادم ششم

اوم ستری پراتنے نہ

پرکرتی اور کرم میں سمبندھ

پچھلے مضمونوں میں لکھ آئے ہیں کہ بچپن میں جو عادتیں پڑ جاتی ہیں وہ وقت کے گزرنے سے پکتی جاتی ہیں۔ جوانی میں وہ عادتیں مضبوط ہو جاتی ہیں۔ اور بڑھاپے میں تو وہ ایسی پختہ ہو جاتی ہیں۔ گویا فطرت ثانی بن جاتی ہیں۔ اس وقت ان عادات کا بدلنا بہت ہی مشکل کام ہے۔

شرمید بھگوت گیتا میں بھگوان فرماتے ہیں -

प्रकृतिं यान्ति भूतानि निग्रहः किं करिष्यति

پرکرتیم - یانتی - بھوتانی - نیگرہ - کم - کرشیستی -
 ارٹھ - انسان اپنی پرکرتی کے دوش میں ہو کر کرم (عمل) کرتے
 ہیں۔ اے ارجن! کوئی جند کیا کرے گا۔

یعنی جیسی کسی شخص کی پرکرتی - سو بھاؤ - عادت - خصلت
 بن گئی ہے۔ وہ اپنی پرکرتی کے قابو میں ہو کر کرم کرتا ہے۔ جند یا بھٹ

کرنے سے کچھ نہیں بنتا۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان کی پرکرتی ہمیشہ کے لئے بن جاتی ہے۔ اور کبھی بھی بدل نہیں سکتی۔ پرکرتی بدل تو سکتی ہے مگر اس میں بڑی محنت لگانی پڑتی ہے۔ تامسی پرکرتی کو کشش کرنے سے راجسی ہو سکتی ہے۔ اور راجسی پرکرتی کو کشش کرنے سے ساتو کی ہو سکتی ہے مگر پرکرتی کے بدلنے میں بڑی محنت کی ضرورت ہے اور یہ بہت وقت لیتی ہے۔ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ جیسی جس کی پرکرتی ہوتی ہے ویسے ہی وہ شخص اس پرکرتی کے دوش میں ہو کر کرم کرتا ہے۔ ساتو پرکرتی والا ساتو کرم کی طرف مائل ہوتا ہے۔ راجسی پرکرتی والا راجسی کرم کی طرف رجوع کرتا ہے اور تامسی پرکرتی والا تامسی کرم دہل کرتا ہے۔

چنانچہ بھگوت گیتا کے سارھویں ادھیائے میں بھگوان شری کرشن چندرجی فرماتے ہیں۔

यजन्ते सात्त्विका देवान्यक्षरक्षांसि राजसाः ।

प्रेतान्भूतगणांश्चान्ये यजन्ते तामसा जनाः ॥

یعنی۔ ساتو کا۔ دیوان۔ کیش۔ رکھشاسی۔ راجسا
پریتان۔ بھوت۔ گنڈاشیخ۔ اینے۔ یعنی۔ تامسا جنہ
اور کھ۔ ساتو کہ انسان تو دیوتاؤں کا پوجن کرتے ہیں۔ راجسی لوگ

یکھشوں اور رکھشوں کو پوچھتے ہیں۔ تامسی لوگ پریتوں اور بھوتوں کو پوچھتے ہیں۔

انگریزی زبان کا ایک فقرہ ہے۔

A man is known by the company he keeps.

یعنی ہر ایک شخص اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے جیسی کسی کی صحبت ہوگی ویسا ہی وہ شخص ہوگا۔

ساتھ سو بھاد والے لوگوں کو ریشیوں اور نیک آدمیوں کی صحبت پسند آتی ہے ان کے اندر نیکی موجود ہے اور ان کو نیکی کی فضا میں لے جاتی ہے۔ ایسے لوگ دھرم کے کام میں بڑھی والے ہوتے ہیں۔ رت سنگ ان کو بہت کشش کرتا ہے۔ راجسی سو بھاد والے لوگ رکھشوں کی صحبت پسند کرتے ہیں۔ امیر آدمی کو امیر آدمی کی سگت پسند آتی ہے دو امیر آدمی آپس میں اکٹھے بیٹھ کر دنیا دارانہ باتیں کر کے بہت خوش ہوتے ہیں۔ ان کا مضمون یہی ہوتا ہے کہ فلاں سا ہو کار نے فلاں سودا اچھا کیا ہے۔ فلاں زمین سستی پکی ہے فلاں مکان ہنگا گیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

جہاں دھرم میں بڑھی رکھنے والے انسان اکٹھے بیٹھ کر دھرم کا چرچا کرتے ہیں۔ دھرم شاستروں اور گرنتھوں پر وچار کرتے ہیں ہا تماڈں اور ریشیوں کا ذکر کر کے خوش ہوتے ہیں۔ دماں دنیا دار

راجسی سو بھادو والے لوگ دنیا اور کار دنیا کا ذکر کر کے معظوظ ہوتے ہیں۔ ہر ایک اپنی اپنی پر کرتی یعنی سیرت سے مجھد ہوتا ہے۔ اسی طرح تامسی لوگ تامسی مضمونوں کا ہی ذکر کر کے اپنا وقت گزارتے ہیں۔ مثلاً بھنگ پینے والے جب اکٹھے ہوتے ہیں۔ تو بھنگ۔ گاجنا۔ افیم وغیرہ نقشہ آور چیزوں کا ذکر چھیڑتے ہیں۔ ان کا دائرہ گفتگو ان چیزوں تک ہی محدود ہوتا ہے۔

اگر بدستہتی سے ساتھ ساتھ سو بھادو والا کوئی آدمی راجسی یا تامسی لوگوں کی ٹولی میں چلا جائے۔ تو ان کی باتیں سن کر اس کا دل تنگ پڑ جاتا ہے۔ بلکہ اس کا دم گھٹنے لگ جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی تامسی سیرت والا ساتھ لوگوں میں شامل ہو جائے۔ تو اس کو بھی دہرم اور گیان کی باتیں سن کر بہت وقت محسوس ہوتی ہے۔ ہنس کوڑوں کی ٹولی میں دق ہو جاتا ہے۔ اور کوآہنوں کی مجلس میں بقیار ہو جاتا ہے۔ دودالوں کی صحبت میں جاہل آدمی کا دم گھٹتا ہے اور جاہلوں کی صحبت میں بدوان مشکل محسوس کرتا ہے۔ ہر ایک چیز اپنی اپنی پر کرتی والی چیزوں کی طرف راغب ہوتی ہے۔ ساتھ ساتھ پر کرتی والے ساتھ لوگوں کی صحبت کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ اور راجسی پر کرتی والے راجسی لوگوں کی سنگت پسند کرتے ہیں۔ اور تامسی لوگ تامسی صحبت کے دلدادہ ہیں۔

فارسی کا بھی ایک شعر ہے۔

کندہم جنس باہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر - زاغ باز اغ

مطلب - ہم جنس آپس میں مل کر پرواز کرتے ہیں - کبوتر کبوتروں
کے ساتھ اور کوسے کوسوں کے ساتھ - کوا کواؤں کی صحبت میں آرام
محسوس کرتا ہے اور کبوتر کبوتروں کی سنگت میں -

راج منس اور بگلا دونوں ظاہر صورت میں ایک جیسے ہیں - دونوں
ہم شکل ہوتے ہیں اور دونوں کا رنگ دودھ کی طرح سفید ہوتا ہے - مگر
ان کی سیرتوں میں بڑا فرق ہے - راج منس موتی چمکتا ہے اور بگلا
پھلیاں کھاتا ہے - روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک بگلا راج منسوں
کی ٹولی میں شامل ہو گیا - راج منسوں نے خود بھی موتی کھائے اور
بگلے کو بھی کھانے کے لئے موتی پیش کئے مگر پھلیاں کھانے والا بگلا
بھدا موتیوں کی کیا قدر جانتا تھا - موتیوں کا ڈھیر ہوتے ہوئے بھی بگلا
بچارا بھوکا ہی رہا - جب وہ ایک ایسے تالاب پر پہنچا جہاں کچھڑ تھی اور
جس میں پھلیاں موجود تھیں تو اس نے خوب پیٹ بھر کر ان کو کھایا -
یہی حال دنیا کے لوگوں کا ہے - جو پاپ کرنے کے عادی ہو گئے
ہیں - ان کو نیکی کا کام کرتے ہوئے گھبراہٹ محسوس ہوتی ہے - جس طرح
کہ نیک آدمی کو پاپ کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے - ہر ایک شخص اپنی پرکرتی
سے ہی عبور ہے اور اس کے دوش میں ہو کر کرم کرتا ہے -

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ دہرم میں مچی نہ رکھنے والا آدمی

جب کبھی اتفاق سے کسی دھرم ستمخان میں پہنچ جاتا ہے جہاں پر ماتما کا
 بھجن ہو رہا ہو یا کوئی دھارمک کھٹا یا لیکچر ہوتا ہو تو ایسا شخص اپنے
 آپ کو کوستا ہے کہ وہ وہاں کہوں آگیا۔ ایسے آدمی عام طور پر تھوڑی
 دیر بیٹھ کر واپس مڑ جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی پوچھے کہ جلدی کیوں
 واپس چلے آئے تو کہتے ہیں کہ کچھ لطف نہیں آیا۔ دوسرے ایسے
 آدمی بھی جوتے ہیں۔ جو دیوار کا سہارا لے کر افگنہ شروع کر دیتے ہیں۔
 اور زور زور سے خراٹے بھرنے لگ جاتے ہیں۔ کئی ایسے بھی
 ہوتے ہیں۔ جو اپنے گھر کی یا کاروبار کی باتیں شروع کر دیتے ہیں
 ان کو دھرم کھٹا سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ ان کو لیکچرار کے لفظ
 پیسے لگتے ہیں۔ مگر اپنے کاروبار کا ذکر انہیں بھری سے بھی زیادہ بیٹھا
 لگتا ہے۔ ایسے شخصوں کو اگر کوئی ٹوک دے کہ چپ کر بیٹھو یا دھرم ستمخان
 میں ایسی باتیں دا جب نہیں ہیں۔ تو وہ گڑ جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ
 تم لیکچر سُن رہے ہو تو لیکچر میں کوئی لطف نہیں آتا۔ ایسے شخصوں سے
 بھلا کوئی پوچھے کہ تم دھرم ستمخان میں آئے کیوں۔ اگر وہاں بھی
 تم نے سوئے ہو یا نہ چاندی یا غلے کے خرچ کی باتیں چلائی تھیں۔ تو اچھا تھا
 گھڑی بیٹھ رہتے تاکہ دوسروں کے رستے میں روکاؤ تو نہ بنتے
 ایسے شخص اپنی پرکرتی سے اپنی سیرت سے مجبور ہیں۔ وہ اپنے سوجھاو
 کے دُش میں ہیں۔ یہ ان کے پچھلے جنموں کے پاپ کی نشانی ہے
 کہ ان کو ایسی پرکرتی ملی ہے جو دھرم کی طرف ان کو جانے ہی نہیں

دیتی۔

ایسے لوگوں کے متعلق گوسائیں تلمیذ اس جی مہاراج فرماتے

ہیں:

تکسی پورب پاپ تے ہری کھنا نہ سومائے

کے اڈ گھیس کے اڈ چلیں کے دین بات چلائے

ارکھ۔ پچھلے جنم میں کئے ہوئے پاپ انسان کو پرنا مٹا سے بے
 حکمہ کو دیتے ہیں ایسے شخصوں کو ہری کھنا پسند نہیں آتی۔ اگر وہ
 کسی دھرم ستھان میں پہنچ بھی جاویں۔ تو اڈ گھنے لگ جاتے ہیں
 یا جلدی اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ یا آپس میں باتیں ہی چلا دیتے
 ہیں۔ یہ ان کو پچھلے جنموں میں کئے ہوئے پاپوں کی سزامل
 ہری ہے گردہ سورکھ لوگ اس میں ہی اپنی بڑائی سمجھتے ہیں۔

اوم شرم

اوم نشری پر ماتنے منہ

من کا چیتا ہی سچی بہادری ہے

پچھلے مضمون میں بتا چکے ہیں کہ انسان اپنی پرکرتی یعنی خصلت سے مجبور ہوتا ہے جیسی پرکرتی ہوتی ہے ویسے ہی وہ کرم (عمل) کرتا ہے۔ تب سے دیوی پرکرتی بنتی ہے یعنی ریاضت سے انسان فرشتہ سیرت ہو جاتا ہے اور بھوگ کے جیون سے اُسری پرکرتی پیدا ہوتی ہے۔ لہذا نفسانی انسان کو شیطان سیرت بنا دیتے ہیں۔

اردو کے مشہور شاعر ذوق کا شعر ہے۔

جو مارے نفس کو اور کرے اپنے غصے کو زیر

بنائے سانپ کو کوڑا وہ شیر پر چڑھ کر

مطلب۔ جو اپنے من کو مارے یعنی اس پر غلبہ پالوے اور اپنے غصہ کو جیت لے۔ اس میں ایسی طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ سانپ کو کوڑا بنا کر شیر کی سواری کر سکتا ہے۔ یعنی سپا اور شیر تک اُسکے مطیع ہو جاتے ہیں۔

اس شعر میں شاعرانہ مبالغہ سے کام نہیں لیا گیا۔ بلکہ یہ عین صداقت ہے۔ نفسِ امارہ کا جیتنا گویا ساری دنیا کو جیت لینا ہے۔

جب جی صاحب میں گوردانک دیو جی بہاراج فرماتے ہیں۔
 ”مَن جیتے جگ جیت“

یعنی جس نے اپنے مَن کو جیت لیا ہے۔ اُس نے سارے جگ کو جیت لیا ہے۔

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں

جو اس مارے	تس کوں بھے ناہیں
جو اس مارے	سو نام سماہیں
جو اس مارے	تس کی ترشنا نہ تھے
جو اس مارے	سو درگاہ سمجھے
جو اس مارے	سو دھن و نستا
جو اس مارے	سو پست و نستا
جو اس مارے	سوئی جیتی
جو اس مارے	تس ہووے گنتی

اگر مَن جو اپنے مَن کو مار لیتا ہے۔ اس کو کسی قسم کا خوف نہیں رہتا۔ وہ پر بھوک کی مصلکتی میں محو ہو جاتا ہے مَن کو جیت لینے سے دنیا و دنیا دار خواہشات کی پیاس بجھ جاتی ہے۔ اس آدمی کو ہر وقت پر ماتا

سوچتا ہے۔ جو اپنے من کو جیت لیتا ہے۔ وہی سچے معنی میں دولت مند ہے۔ وہی پت والا یعنی معتبر ہے۔ من کو مارنے والا ہی جیتی ہے وہی پریم گتی کا مستحق ہے۔ من کے جیتنے سے ہی نجات حاصل ہو سکتی ہے۔

آگے فرماتے ہیں ۵

جو اس مارے سوئی سمورا

جو اس مارے سوئی پورا

ارکھ۔ من کو مارنے والا ہی سچے معنوں میں بہادر ہے وہی پورا ہے باقی سب ادھورے ہیں۔

یہ واک معمولی اشعار کی مانند نہیں ہیں۔ یہ تو شدہ دلوں سے نکلے ہوئے شدید ہیں۔ پڑھنے والوں سے ہم پرارتھنا کرتے ہیں کہ ان لفظوں کو جلدی جلدی نہ پڑھ جائیں۔ ان شدیدوں کو پریم سے پڑھ کر حقوثری دیر کے لئے مرگ جائیں۔ اور وچار کریں۔ اپنے دل میں دھیان کر کے دیکھیں کہ آیا ان کا من ان کے قابو میں ہے یا کہ وہ من کے قابو میں ہیں۔ پھر جا کر گور و نانک دیو جی کے شدیدوں کا انہیں کچھ پتہ چلیگا۔ کہ من کا جیتنا کتنا مشکل ہے۔ مگر جب اُسے جیت لیا جائے۔ تو انسان کس قدر طاقت محسوس کرتا ہے اور کتنا بڑا ہوتا ہے۔ اس کا صحیح اندازہ من کو جیتنے کی کوشش کرنے سے ہی ہو سکتا ہے۔ ساری دنیا سکھ کی تلاش میں ہے۔ مگر افسوس ہے کہ غلط رستے

پر جاری ہے انسان عارضی سکھ تو دستیاب کر لیتا ہے مگر تھوڑے
 عرصہ کے بعد وہ سکھ بھیکا لگتا ہے۔ پھر نئے سرے سے سکھ کی تلاش
 کرتا ہے۔ پھر بھی عارضی سکھ ہی ملتا ہے۔ دنیاوی دھن۔ دولت
 بیوی۔ بچوں سے جو سکھ ملتا ہے۔ یہ سطحی سکھ ہے۔ یہ اندریوں اور
 من کا سکھ ہے یہ دائمی نہیں ہے۔ اس سکھ کے چھینے جانے کا ڈر
 لگا رہتا ہے۔ اور آخر میں یہ چھین بھی جاتا ہے۔ اس سکھ کے دکھ
 میں بدلتے ہوئے دیر نہیں لگتی۔ مگر من کو جیتنے سے جو سکھ حاصل
 ہوتا ہے۔ وہ اصلی سکھ ہے۔ وہ دائمی سکھ ہے۔ وہ اونچا سکھ
 ہے۔ من کے جیتنے سے جو سکھ حاصل ہوتا ہے دنیاوی سکھ اس
 کا ذرا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ایک سونا ہے تو دوسرا پتیل، ایک
 مہمیری ہے تو دوسرا مٹی۔ لوگوں نے کیونکہ فقط دنیاوی سکھ کی لذت
 چٹکی ہے وہ اسی سے ہی تڑپ ہو گئے ہیں۔ من کو جیتنے پر جو سکھ پاپت ہوتا ہے اسکا
 آئندہ کے دماغ میں بھی نہیں آ سکتا۔ کنوئیں میں پرے ہوئے ٹینڈر
 کی طرح ان کو کنواں ہی سب سے بڑا محسوس ہوتا ہے ان سے اگر
 کوئی کہے کہ دریا کنوئیں سے بڑا ہوتا ہے تو یہ بگڑ جاتے ہیں اور
 جھٹ کہہ دیتے ہیں۔ یہ بالکل جھوٹ ہے ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔
 ٹھیک اسی طرح دنیاوی لذات میں پھنسے ہوئے انسان کو ان سے
 بڑھ کر کوئی بھی چیز پر تیت نہیں ہوتی۔ ان کو اعتبار نہیں آتا کہ ان
 سے بڑھ کر بھی کوئی چیز لذیذ ہو سکتی ہے۔ اس لئے وہ فوراً کہہ دیتے

ہیں کہ من کا چیتنا ایک ڈھکوسلا ہے اور دنیاوی سکھوں سے بڑھ کر سکھوں کا ذکر کرنا جہالت اور بیہودہ پن ہے یہ بیچارے بھی سچے ہیں کیونکہ ۵

فکر ہر کس بقدر بہت دوست

یعنی ہر شخص کی سمجھ اس کی اپنی بہت ولیاقت تک ہوتی ہے اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

من کو جیتنے کے لئے تپ یعنی ریاضت ایک بہت ہی زبردست سادھن ہے یہ من کو جیتنے کا مسلہ فریج ہے جس طرح لگام کو کس کر رکھنے سے ٹانگے کے گھوڑے سیدھے چلتے ہیں۔ اور سوار یوں کو آرام حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح تپ سے اندریاں اور من یعنی حواس خمسہ اور نفس خوب کئے جاتے ہیں۔ اور ان کے کئے رہنے سے آتما کو سکھ نصیب ہوتا ہے۔

شری پاتنجلی منی جی بہاراج یوگ شاستر میں فرماتے ہیں

कायेन्द्रियसिद्धिरशुद्धिः कयात्तपसः ॥

کایہ - اندریا - سدھی - اشدھی - کھیات - تپسا
ارٹھ - تپ سے اشدھی یعنی ناپاکیزگیاں نیست و نابود ہو
جاتی ہیں۔ اور جسم اور اندریاں یعنی حواس خمسہ سدھ ہو جاتے
ہیں۔ یعنی قابو میں آ جاتے ہیں۔

۵۔ تپ سے

جسم اور اندریوں کی غلطیتیں ہی ہمارے دکھوں کا باعث ہیں
 جب یہ مٹ جائیں تو پھر سکھ ہی سکھ ہے اور وہ سکھ بھی نہایت ہی
 اعلیٰ درجہ کا۔ تپ سے بڑھ کر جسم اور اندریوں کو سیدھ کرنے والی
 اور کوئی چیز نہیں ہے۔

ادم ششم

ادم شری پرمانے منہ

ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا

پچھلے مضمون میں لکھ آئے ہیں۔ کہ تپ یعنی ریاضت سے من
جسم اور اندریوں کی آشدھیاں یعنی غلاظتیں دور ہو جاتی ہیں اور
آدمی شانتی اور سکھ کو حاصل کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ شری بھگوت گیتا
میں شری کرشن چنڈر جی مہاراج بار بار اور پُر زور الفاظ میں تپ
کی مہاں کا وزن کرتے ہیں اور تپ کی عظمت کو بیان کر کے ارجن جی
کے دل پر تپ کے جیون کا نقش بٹھانا چاہتے ہیں۔
بھگوت گیتا کے چوتھے ادھیا سے میں ہی فرماتے ہیں۔

बहवो ज्ञान तपसा पूतामद्भावमागताः ॥

بہو۔ گیان۔ تپسا۔ پوتا۔ مد بھاد۔ آگتا
ارٹھ۔ اے ارجن! گیان اور تپ سے پوتہ یعنی پاک ہو کہیت
سے لوگ میرے سر پ کو پراپت کر چکے ہیں۔

جس طرح آگ میں تپاے جانے سے سونے کے اوپر کی تمام
 غلاظتیں دور ہو جاتی ہیں۔ اور خالص سونا چمکتا ہوا نکل آتا ہے
 اسی طرح گیان اور تپ بھی من اور اندریوں کی میل کو نیست و نابود
 کر دیتے ہیں اور انسان اپنے اصلی روپ کو جو کہ شدھ چیتن
 مکتی سرورپ ہے اور جسے انسان بھول چکا ہے۔ پھر سے اپنے
 اندر انو بھو یعنی محسوس کرتا ہے۔

جو تھے ادھیائے میں ایک اور شلوک میں فرماتے ہیں۔

यथैधांसि समिद्धोऽग्निर्भस्मसात्कुरुतेऽर्जुन ।

ज्ञानाग्निः सर्वकर्माणि भस्मसात्कुरुते तथा ॥

یہ تھا۔ دھانسی سمدا ہو۔ اگنی۔ بھسمات۔ کروتے ارجن
 گیان اگنی سرور کما تڑی بھسمات کروتے تھا
 ۳۷
 ۴
 ارکھ۔ جس طرح جلتی ہوئی آگ لکڑیوں کے ڈھیر کو جلا کر راکھ
 کر دیتی ہے۔ اسی طرح اے ارجن! گیان کی آگ بھی کرم (عمل)
 کے بندھنوں کو جلا کر مٹا دیتی ہے۔

جتنے بھی ہمارے کرم ہیں۔ ان کے تاثرات یعنی سنسکار
 من پر پڑتے ہیں۔ اور یہی سنسکار بیج کی مانند پھرا گتے ہیں اور
 نئے سنسکار پیدا کرتے ہیں۔ لہذا جس طرح مٹی اپنے جالے
 میں خود بخود پھنس جاتی ہے انسان بھی اپنے کئے ہوئے کرموں کے

سنگاروں سے گھر جاتا ہے اور بے دوش ہو کر مجبوری سے ان سنگاروں کے زیر اثر ہو کر کرم کرتا جاتا ہے اور پہلے سے بھی زیادہ بندھتا جاتا ہے مگر گیان یعنی علم معرفت حاصل ہو جانے پر یہ سنگار اس طرح مٹ جاتے ہیں جس طرح آگ میں لکڑیوں کا ڈھیر بھسم ہو جاتا ہے ان سنگاروں کا مٹنا ہی من کی شدھی اور پاکیزگی ہے۔ ان سنگاروں کا جل جانا ہی آتما کی مکتی ہے۔ تب انسان جنم مرن سے چھوٹ جاتا ہے جیسے کہ بھٹنا ہوا دانہ پھر نہیں اُگ سکتا۔ اسی طرح سنگاروں کے مٹ جانے سے جنم مرن کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اور آواگون کا چکر ختم ہو جاتا ہے۔ اسی کا نام موکش ہے اسی کو ہی نجات کہتے ہیں بھگوت گیتا کے اٹھارویں ادھیائے میں بھگوان تپ کی یہاں کو پھر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

यज्ञो दानं तपश्चैव पावनानि मनीषिणाम्॥

گیو۔ داغم۔ تپشچ۔ ایو۔ پاوانانی۔ منیشینام ۱۸/۵
ارٹھ۔ اے ارجن! یگ۔ دان اور تپ ددوالزل کو بھی پوتر کرنے والے ہیں۔ عام لوگوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔
اس مضمون کے پڑھنے والوں سے یہی پرا رتھنا ہے کہ زیادہ نہیں تو ایک مہینہ تپ کر کے دیکھیں۔ ان کو تپ کی عظمت خود بخود محسوس ہو جائیگی اور ان کے دل میں تپ سے جو بے پروائی یا نفرت ہے

وہ خود بخود دُور ہو جائے گی۔ جس طرح کشتی کرنے کا ڈھنگ صرف کتابیں پڑھنے سے نہیں آ سکتا۔ اسی طرح تپ کا لطف بھی صرف کتابیں پڑھ چھوڑنے سے نہیں آ سکتا۔ یہ تو کرنے کی ودیا ہے۔ پہلے پہل ضرور تکلیف ہوتی ہے۔ مگر جب انسان مہارت حاصل کر لیتا ہے تو لطف ہی لطف محسوس کرتا ہے۔ تب تو انسان کہتا ہے کہ کیا ہی مبارک گھڑی تھی۔ جب میں نے بھوگ کا جیون چھوڑ کر تپ شروع کیا تھا۔

ہل چلاتے وقت ضرور تکلیف ہوتی ہے مگر جب فصل پک کر تیار ہو جاتی ہے تو وہ تکلیف راحت میں بدل جاتی ہے اور جس دن ڈھیری تقسیم ہوتی ہے۔ اس وقت کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ اسی طرح ہر ایک اچھا کام شروع شروع میں مشکل لگتا ہے۔ پست بہت انسان فقوڑی سی مشکل کو دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں۔ اور اس کام کو جلدی چھوڑ دیتے ہیں۔ گردانا اور حوصلے والے آدمی جب ایک دفعہ کسی کام کیلئے لکڑیں لیتے ہیں۔ تو جب تک منزل مقصود پر نہیں پہنچ جاتے وہ پیچھے مڑ کر دیکھنا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ ایک ایک قدم اٹھاتے اٹھاتے لمبی سے لمبی اور مشکل سے مشکل منزلیں طے ہو جاتی ہیں آخر جو لوگ ان منزلوں پر پہنچ چکے ہیں۔ وہ بھی ہماری طرح انسان ہی تھے۔ ان کی کامیابی کو نظر میں رکھ کر اے انسان! تو بھی مستقل ارادہ کر کے کمر باندھ کر منزل پر روانہ ہو جا۔ چند دنوں میں تو دیکھ لیگا کہ جس منزل کو تو اتنا مشکل اور دشوار سمجھتا تھا۔ وہ وہاں

اتنی مشکل نہیں تھی۔ اپنی کم ہمتی کی وجہ سے تو اسے مشکل سمجھے ہوئے
تھا۔

بچپن کے زمانے میں ایک اُردو کا شعر پڑھا تھا
کارٹ لینا ہر گھٹن منزل کا کچھ مشکل نہیں
اک ذرا انسان میں چلنے کی ہمت چاہیئے
واقعی چلنے والے کے لئے کوئی منزل مشکل نہیں ہے۔ مسافر
جوں جوں قدم اٹھاتا ہے۔ منزل گھٹتی چلی جاتی ہے اور آخر طے
ہو جاتی ہے۔

اس واسطے تو اس کتاب کے پڑھنے والوں سے بار بار یہی پرار تھا
ہے۔ کہ میدانِ عمل میں اتر کر تپ کی برکت کو دیکھیں۔ کچھ عرصہ تپ
کرنے پر اُن کو خود بخود نظر آ جائے گا کہ تپ سے راج کیونکہ دستیاب
ہوتا ہے۔

اوم شرم

ادم شری پرمانے نہ

سب سے قیمتی چیز وقت ہے اسے ضائع مت کر

پچھلے مضمون میں اس کتاب کے پڑھنے والوں سے پرار تھنا
کی گئی تھی کہ وہ میدانِ عمل میں اتر کر تپ کی برکتوں اور نعمتوں کو تجربہ
کی کسوٹی پر پرکھیں۔ ایسا کرنے سے اُن کے دل میں تپ کے متعلق جو
شکوک ہیں وہ خود بخود دور ہو جائیں گے۔ ذاتی تجربہ سے بڑھ کر یقین
دلانے والی اور کیا بات ہو سکتی ہے یہ تو مانتے کنگن کو آرسی کیا ہے والا
معاملہ ہے۔ ایک دو ماہ کا تجربہ واضح کر دے گا کہ تپ کے جیون میں
کیا لطف ہے۔ اور بھوک کا جیون یا بے قاعدگی کی زندگی جس کو ہم اپنی
بے سببی سے اچھا سمجھ رہے ہیں۔ کس قدر حقیر اور قابلِ نفرت ہے
شیخ سعدی صاحب کا ایک شعر ہے۔

کنوں وقتِ تخرام است اگر پردی گرا امیدواری کہ خرمی بری

ترجمہ - فرماتے ہیں۔ اے انسان! اگر تو چاہتا ہے کہ گندم کی ڈھیری اٹھائے تو یہی وقت بیج بونے کا ہے۔ اس وقت کو غنیمت جان کر بیج بونے کا وقت پر تو ڈھیری اٹھا کر خوش و خرم ہو جاوے گا انسان کی زندگی کا اصلی سرمایہ۔ اصلی پونجی۔ اصلی حامد اور وقت ہے۔ چاہے تو ہم اس حامد کو ضائع کر دیوں اور چاہے اس کا بہترین استعمال کر کے اپنے اور دوسرے آدمیوں کی بہبودی کا باعث بنیں۔ فارسی کے مشہور شاعر عمر خیام کی ایک رباعی ہے

گر یک نفست ز زندگی گزرد
مگذار کہ جز بہشت دمانی گزرد

زہار کہ سرمایہ اس ملک جہاں
غریبست۔ چنانچہ گزرائی گزرد

ترجمہ - اے انسان! اگر تیری زندگی کا ایک سانس بھی گزرے تو اس کو احتیاط سے گذار اور اس سے پورا فائدہ اور سچی خوشی حاصل کر۔ عمر ہی اس جہان کا سرمایہ ہے۔ عمر کو جس طرح انسان گزارے وہی ہی گزرتی ہے۔

جو وقت بھوک و لاس میں لگتا ہے جو وقت دنیاوی لذات میں صرف ہوتا ہے۔ وہ ضائع جاتا ہے وہ رائیگاں جاتا ہے مگر جو وقت ہم تپ یعنی ریاضت میں صرف کرتے ہیں جو وقت الشیخ بھجن میں تپ کرتے ہیں۔ جو وقت ہمارے پکار میں یعنی خدمتِ خلق میں لگاتے ہیں۔ وہ

وقت دراصل استعمال ہوتا ہے گیا اس وقت میں ہم زندہ ہیں۔ باقی وقت
مثلاً مردہ ہیں۔ اس سے ہر شخص خود اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس کی
عمر کا کس قدر حصہ استعمال ہوتا ہے اور کس قدر حصہ ضائع ہوا جاتا ہے
دنیاوی لذات میں پھنسے ہوئے لوگوں کی بابت بھگوان شری
بھگوت گیتا میں فرماتے ہیں۔

मोघाशा मोघकर्माणो मोघज्ञाना विचेतसः ।

राक्षसीमासुरीं चैव प्रकृतिं मोहिनीं श्रिताः ॥

موگھ آشا۔ موگھ کرمان۔ موگھ گیانا۔ وچیتس
راکشیتم۔ آسوریتم۔ چیت۔ پرکرم۔ موہینم۔ شرتا
ارکھت۔ اے ارجن! جو لوگ راکھشی یعنی شیطانی سیرتوں
کے قابو میں آئے ہوئے ہیں۔ اور آسوری پرکرتی سے موہت ہو کر
دنیا میں دچرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی تمام آشا میں یعنی امیدیں
فصول ہیں۔ جتنے کرم (عمل) وہ لوگ کرتے ہیں۔ وہ بھی بیکار ہیں
ایسے لوگ مڑھ ہیں۔ اور ان کا گیان بھی فصول ہے۔ غرض شیطانی
سیرت والے جو کچھ سوچتے ہیں۔ کرتے ہیں۔ یا پڑھتے ہیں۔ وہ سب
فصول ہے۔ بیکار ہے۔

گو دھارجن دیو جی دھاراج سکھ سنی صاحب میں ایک
جگہ فرماتے ہیں۔

پر ہتی سارکت کی آرحبا سراپہ بنا کے ہوت سوچا
ارکھ۔ جو آدمی الیشور کو نہیں مانتے اور الیشوری نیم کے برخلاف چلتے
ہیں۔ اور خود عرصی کا جیون گزارتے ہیں۔ ان کا جینا فضول ہے۔ سچ
کی کمائی کے بغیر انسان کیونکر شدد ہو سکتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں۔

پر تھا نام پنا تن اندھ مگھ آورت تا کے در گندھ
ارکھ۔ پر بھو کے نام کا سمرن کرنے کے بغیر انسانی جسم اندھکا میں
ہے۔ یعنی عین جہالت میں ہے۔ جو شخص پر بھو کا نام نہیں جانتے
ان کے منہ سے گویا سخت بدبو آتی ہے، عفت آتی ہے۔

پھر فرماتے ہیں۔

بن سمرن دن رین پر تھا دٹائے میگھ بنال جیوں کھیتی جائے
ارکھ۔ پر بھو کے سمرن کے بغیر جو مدت گذرتا ہے۔ وہ فضول
جاتا ہے۔ جس طرح بادل کے بغیر کھیتی سڑکھ جاتی ہے اور کھیتی
بونے کی محنت بھی ضائع جاتی ہے۔

اسی طرح بھگوان کا سمرن کئے بغیر جینا بالکل بے کار ہے
اس طرح کے چینے اور موت میں کوئی بھی بھید نہیں ہے۔ ایسے
لوگ گویا جیتے ہوئے بھی مردوں کے برابر ہیں۔

آخر میں گرو ارجن دیو جی مہاراج فرماتے ہیں۔
گو بندھجن بن برتے سب کام چل کرپن کے زار تھ دام

ارکھ۔ جس طرح کنجوس کا اکٹھا کیا ہوا دھن بیکار جاتا ہے۔ اسی طرح پرمانتا کا بھجن کئے بغیر انسان کے سارے کام رائیگاں ہیں بھگوان کا بھجن ہی سب کاموں سے افضل ہے۔ برتر ہے۔

ادم ششم

اوم شری پرماننے نہ

لگاتار کوشش سے آخر

مَن دھل جاتا ہے

پچھلے مضمون میں لکھ آئے ہیں کہ انسان کی سب سے قیمتی جائیداد سب سے بیش بہا پونجی اس کی عمر ہے۔ اپنی عمر کو جس طرح کوئی گزارے اُس طرح یہ گزر جاتی ہے جو شخص بھوک کو ہی اپنا لکھش یعنی نصب العین بنا رکھتے ہیں۔ اُن کا چینا بے سود ہے۔ اُن کی عمر بیکار ہے اُن کے تمام کاروبار فضول ہیں۔ اُن کی سب سے انتہائی اور اُمیدیں بے بنیاد ہیں۔ اُن کی زندگی ایک ایسی کھیتی کی مانند ہے جو بادلوں سے سیراب ہونے کی بجائے اُٹا بجلیوں کا نشانہ بنی ہوئی ہو۔ اگرچہ ایسے لوگ اپنے آپ کو بہت ہی سرگرم اور مشغول خیال کرتے ہیں۔ مگر اُن کی سرگرمیاں حقیقت میں ایسی ہیں جیسے کوئی شخص درخت کی ٹہنی پر بیٹھا ہوا اُسی ٹہنی کو کلبھاری سے کاٹ رہا ہو۔ محنت تو وہ کر رہا ہے۔ مگر بے سود بلکہ سخت مضر۔

تیل کا بیل سارا دن کو لھو میں جتا رہتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ وہ بڑی منزل طے کر رہا ہے۔ شام تک وہ چلتے چلتے تھک جاتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اُس نے ضرور آج پچاس میل کی مسافت طے کر لی ہوگی مگر جوہنی اس کی آنکھوں پر سے کھوپے اُتارے جاتے ہیں۔ وہ بیچارہ حیران ہو کر دیکھتا ہے کہ سارا دن چلنے کے باوجود بھی وہ وہیں کا وہیں کھڑا ہے جہاں سے روانہ ہوا تھا۔ ٹھیک یہی حال اُن لوگوں کا ہے۔ جو جھوگ دلاس میں مست ہیں وہ اپنے آپ کو سرگرم سمجھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ زندگی کی شاہراہ پر بہت دُور نکل گئے ہیں۔ مگر درحقیقت وہیں کے وہیں کھڑے ہوئے ہیں۔ جہاں سے وہ روانہ ہوئے تھے۔ اس قدر ظاہر سرگرمی کے باوجود روحانیت کے میدان میں انہوں نے ایک قدم بھی آگے نہیں اٹھایا اور روحانی ترقی کے بغیر باقی سب ترقیاں کم حیثیت ہیں۔ بلکہ بیچ ہیں۔

آتما کے اوپر من ایک پردے کی مانند ہے جو آتما کو اس طرح ڈھانک لیتا ہے جیسے آگ کو دھواں ڈھانک لیتا ہے۔ جیسے پانی پر کائی کے جم جانے سے پانی کی چمکتی ہوئی سطح چھپ جاتی ہے جس طرح آئینہ پر زنگار آ جانے سے اس میں سے انسان اپنا عکس نہیں دیکھ سکتا۔ اسی طرح من میں کدورت کی وجہ سے آتما کی صلیت چھپ جاتی ہے۔ اور اس من پر کئی جنموں کی میل چڑھی ہوئی ہے

اس میل کا دھو ڈالنا ہی انسان پر سب سے مقدم فرض ہے۔

گر تھ صاحب کا ایک واک ہے ۵

جنم جنم کی اس من کو کل لاگی کالا بھیا سیاہ

کھنٹی دھوتی اُجلی نہ ہووے چاہے سو دھوون پا

اور کھٹ۔ اس من کو جنم جنم کی غلطیتیں لگی ہوئی ہیں۔ جس کی وجہ

سے یہ کالا سیاہ ہو گیا ہے۔ جس طرح تیل سے بھرے ہوئے

کپڑے کا دھلنا مشکل ہے۔ اسی طرح جنم جنم تیل کی میل سے

کالے من کا دھونا بھی بہت مشکل ہے۔

انسان اکثر اوقات خیال کرتا ہے کہ وہ کافی نیک ہے اس نے

کوئی ایسے نازیبا عمل نہیں کئے۔ وہ بہتروں سے اچھا ہے اس کو

من کی صفائی کی چنداں ضرورت نہیں ہے یہ خیال غلط ہے اور

اس کی وجہ ہمارا ابھیمان ہے جو ہمیں خود شنائی کی طرف مائل کرتا ہے

اور جس کی بدولت ہماری آنکھ اپنی خوبیاں اور دوسروں کی بُرائیاں

دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہو جاتی ہے بلکہ بعض اوقات انسان یہ

خیال کر بیٹھتا ہے کہ میں ہمہ صفت موصوف ہوں۔ کونسی خوبی ہے جو

مجھ میں نہیں ہے یہ فقط دھوکہ ہے۔ یہ محض ہماری بھول ہے۔

شیخ فرید صاحب کی لوگ تعریف کرتے تھے۔ اُن سے

کہتے تھے کہ آپ نیک انسان ہیں۔ فرشتہ سیرت ہیں۔ خدا سیدہ

ہیں۔ شیخ صاحب لوگوں کے مُنہ سے اپنی تعریف سن کر رو دیتے

تھے اور کہتے تھے ۔

کالے میرے کپڑے کالا میرا بھیس
گنہیں بھریا میں پھراں لوکی کہن درویش

ارٹھ - فرماتے تھے - پاؤں کے ناخن سے لے کر سر تک میں
گناہوں سے بھرا ہوا ہوں - میرا تن اور مَن کالا ہے مگر لوگ مجھے
نیک سمجھتے ہیں - اور مجھے درویش سمجھتے ہیں - یہ اُن کی بھول ہے
اور میرے لئے باعثِ ندامت ہے -

اوپنچا چڑھنے کی خواہش رکھنے والے انسان کیلئے ضروری
ہے کہ وہ اپنے نقائص پر ہی نظر رکھے اس سے اس کے دل میں ایک
تواہیمان پیدا نہیں ہوتا - دوسرے وہ آہستہ آہستہ اپنے اوگنوں
کو مٹاتا چلا جاتا ہے - حتیٰ کہ وہ نیکی کا مجسمہ ہو جاتا ہے -

جب تک کپڑے کو دھونا نہ شروع کیا جائے تب تک اُس میں
میل نظر ہی نہیں آتی - لیکن دھونے سے پتہ چل جاتا ہے کہ اس میں
کس قدر میل تھی - جب صابن ختم ہو جاتا ہے اور باروبھی تھک
جاتے ہیں - تب انسان بے اختیار ہو کر کہہ دیتا ہے کہ میں تو سمجھتا
تھا کہ اس میں بہت تھوڑی میل ہوگی - اور یہ جلدی دھل جائیگا -
ٹھیک یہی حال مَن یعنی نفسِ امارہ کا ہے - جب تک اُس کو دھونا
نہ شروع کیا جائے انسان سمجھتا ہے اس میں کوئی خاص میل نہیں
ہے - لیکن جوہنی مَن کو صاف کرنے کی کوشش شروع کی جاتی ہے

من میں سوائے غلطیوں کے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ اکثر اوقات انسان تھک کر رہ جاتا ہے اور دل میں کہتا ہے کہ میں تو اپنے من کو کافی صاف و ستھرا سمجھتا تھا۔ کس قدر حیرانی کی بات ہے کہ اس میں اس قدر گندگی چھپی ہوئی تھی۔

مگر انسان کو چاہیے کہ گندگی کی بہتات دیکھ کر بے حوصلہ نہ ہو جائے اور من کو صاف کرنے کی کوشش نہ چھوڑے۔ آخر گندگی ہٹانے سے ہی ہنسی ہے آخر دھونے سے ہی کپڑے کی میل نکلتی ہے۔ ادھورا چھوڑ دینے سے تو انسان نہ اروار رہتا ہے اور نہ پار پہنچتا ہے۔

مولانا رومی صاحب فرماتے ہیں ۲
پس چوں آہن - گر پہ تیرہ سیکلے
صیقلے کن - صیقلے کن - صیقلے

مطلب - اے انسان! اگر تیرا دل لوہے کی طرح بھی کالا ہے تو بھی تو اس کو مانتا رہے۔ آخر مانتے مانتے یہ ایک دن ضرور صاف ہو جاوے گا۔ لگاتار صیقل کرنے سے ایک دن لوہا بھی آئینہ بن جاتا ہے۔

اوم شرم

اوم شری پرما تنے نہ

شاریک تپ

گرو سیوا - صفائی - سرتا - برہمچریہ - اہنسا

جسم کے تپ یعنی ریاضت کا ذکر کرتے ہوئے بھگوان شریک
بھگوت گیتا کے ستارہوں ادھیائے میں فرماتے ہیں۔

देव द्विज गुरु प्राज्ञ पूजनं शौचमार्जवम् ।

ब्रह्मचर्यमहिंसा च शारिरम् तप उच्यते ॥

دیو - دوج - گرو - پراگئیہ - پوجن - شوچم - ارجو

۱۶
۱۷

برہمچریہ - اہنسا - چا - شاریک تپ اچیتے

ارکھ - فرماتے ہیں کہ اے ارجن! دیوتا - برہمن - گرو اور گیانی

پریشوں کا پوجن کرنا - صفائی - سیدھا پن - برہمچریہ یعنی تجربہ اور

بے آنا دی یہ جسم کے تپ کہلاتے ہیں۔

جس قسم کی رغبت کسی شخص میں ہوتی ہے وہ اسی قسم کی سنگت

دھونڈتا ہے۔ اور اسی سنگت کے زیر اثر ہو کر وہ خوبیاں اس میں اور

بھی بچتے ہو جاتی ہیں۔ مثلاً عقلمند عقل والے انسانوں کا قرب دھونڈتے ہیں اور ان کی عزت کرتے ہیں۔ دانشمندوں کی سوسائٹی سے ان کی عقل کو اور بھی چار چاند لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح جن کے پاس دھرم ہے وہ دھرماتما آدمیوں کی قدر جانتے ہیں۔ اور ان کی عزت کرتے ہیں۔ اس سے ان کی رغبت دھرم کی طرف اور بھی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ برعکس اس کے جن لوگوں کے پاس دھرم نہیں ہے ان کو دھرماتما آدمی بھی دھوکے باز اور نمائشی محسوس ہوتے ہیں۔ جب تک انسان کے اپنے اندر خوبیاں موجود نہ ہوں۔ اس کو خوبیوں والا انسان پسند ہی نہیں آتا۔

عموماً ہر انسان میں خود نمائی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے وہ اپنے آپ کو سب سے لائق اور فاضل سمجھتا ہے۔ وہ اس قدر اہنکار کے قابو میں آیا ہوا ہے کہ اس کو اپنے سے بہتر انسان کوئی دکھائی ہی نہیں دیتا۔ اس کی دیر جو گن ہے جس کا نتیجہ تکبر، غرور اور نخوت ہے مگر روحانی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے آپ کو منکسر المزاج بنائے۔ حلیمی یعنی نرمالتا سیکھے۔ تب جا کر اس کا من اس کے قابو میں ہوگا۔ حلیمی کے لئے ضروری ہے کہ انسان بزرگوں کا پوجن کرے۔ عقل اور دھرم میں جو بڑھے ہوئے ہیں۔ ان کی عزت کرے۔ ان کی خدمت کرے۔ ان کی فرمانبرداری کرے۔ ایسا کرنے سے ایک تو اس کا من نرم ہو

ہو جائے گا۔ اور اہنکا رکا کھل اس کی گردن سے نکل جائے گا۔ دوسرے
یہ کہ اپنے سے زیادہ خوبیوں والے انسانوں کا پوجن کرنے سے انسان
میں خود بخود وہ خوبیاں پیدا ہو جائیں گی۔ اسی واسطے سری کرشن چندر
جی مہاراج دیوتا۔ برہمن۔ گرد اور گیانی پرستوں کی پوجا کرنے کی پُرور ہدایت
کرتے ہیں۔

گرو کی پوجا بہت ہی لازمی ہے۔ اس کے بغیر گیان حاصل ہی
نہیں ہو سکتا۔ گورونانک دیو جی مہاراج داک واک میں گرو پر ساداک
ذکر کرتے ہیں۔ یعنی گروں کی کراپا یعنی مہربانی سے ہی گیان برابرت
ہوتا ہے۔

گرو گرنتھ صاحب میں فرماتے ہیں۔

ہوئے بناڑی۔ ڈھے پوے۔ پورے سنگور پاس

بناڑیاں گرمانڈھے۔ گرسنگور کرے شا باش

ارکھے۔ اے انسان! خودی کو مٹا کر سنگور کے چرنوں میں گر پڑ۔
غور نہ کرنے والوں کو گورومان یعنی بڑائی دیتے ہیں اور جو ان کے
پاؤں میں جا پڑے۔ اس کو شا باش دیتے ہیں۔

گرو کی پوجا سے بہت سا آتمک گیان خود بخود حاصل ہو جاتا ہے
گرو کی سدا کرنے سے انسان کا اپنا من خود بخود دھل جاتا ہے۔
بھگوت گیتا کے تیرھویں ادھیائے میں گیان کے مکشوں کا
ذکر کرتے ہوئے بھگوان فرماتے ہیں۔

“ आचार्योपासनम् ”

آچار یہ اُپاسنم ॥

یعنی گرو کی اُپاسنا یعنی پوجا انسان پر فرض ہے کیونکہ گرو پوجا
گیان کا بہت بڑا جزو ہے۔

جو شخص اپنے گرو کی عزت نہیں کرتا۔ جس شخص کے دل میں
گرو سیوا کا بھاو نہیں ہے۔ اس سے گیان بہت ہی دور ہے
سوامی دیانند جی سرسوتی نے جس طرح صدق دل سے اپنے گرو تشری
ور جاند جی کی سیوا کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ سکھوں کے دوسرے
تیسرے اور چوتھے گرو تو سیوا بھاو کا نمونہ تھے۔ جب گرو انگد جی
مہاراج گُریانی کی گدی پر بیٹھ ہوئے تھے۔ اُن کے ایک چیلے
تھے جس کو اس وقت امر د کے نام سے پکارتے تھے۔ بعد میں یہی
گورو امر داس جی ہو کر سکھوں کے تیسرے گرو ہوئے۔ امر داس جی
کی عمر اس وقت پچاس سال سے اوپر تھی۔ مگر وہ ہر صبح گورو انگد جی کو
اشنان کرانے کے لئے دیریا ئے بیاس سے جو کہ تین میل کے فاصلے
پر تھا۔ پانی بھلاتے تھے۔ صبح تین بجے اُٹھ کر چلتے تھے۔ اور دیریا
کی طرف اُٹے پاؤں چلتے تھے کہ کہیں گرو جی کو پیٹھ نہ ہو جائے۔ یہ
تھا۔ اُن کے دل میں گرو سیوا کا بھاو۔ آخر میں امر داس جی کی سیوا
سے خوش ہو کر گرو انگد دیو جی نے گُریانی کی گدی اُن کے حوالے
کر دی۔

पुस्तकालय

गुरुकुल कांगड़ी.

گر سوا کے بارے میں سکھ منی صاحب میں گرد ارجن دیو جی
بہاراج فرماتے ہیں۔

گر کے گڑھ سیک جو رہے
گر کی آگیا من میں ہے
ارکھ۔ سیک جب گر کے گھر رہے تو ضروری ہے کہ گر کے حکم
کو من سے بجالائے۔ گر کے حکم کو ماننا ہی اپنا دھرم ہے۔
پھر فرماتے ہیں ۵

من نیچے سنگور کے پاس
تس سیک کے کلندج راس

ارکھ۔ اپنے من کو گر کے پاس نیچے دیوے۔ یعنی آ پامبھاؤ باکل
بٹا دے۔ ایسے سیک کے کام خود بخود ٹھیک ہوتے چلے جائینگے
آگے فرماتے ہیں ۵

سیوا کرت ہووے نہنگامی
تس کوں ہوت پراپت سوامی

ارکھ۔ چلیا اپنے گرد کی دل سے سیوا کرے مگر پھل کی اچھیا باکل
نہ رکھے۔ ایسے سیک کو سوامی یعنی پرامتا جلد ہی مل جاتا ہے۔

گر سوا کا کس قدر ادبنا آدرش ہے مگر آج کل کیا ہو رہا ہے
کالج اور سکولوں کے لڑکے اپنے استادوں کی ذرا بھی عزت نہیں
کرتے۔ بلکہ اُن سے ٹھٹھا اور مذاق کر کے اپنی دل لگی کا سامان

مہیا کرتے ہیں۔ اُن کی بے قدری میں ہی وہ تفریح محسوس کرتے ہیں
موجودہ زمانے کے شاگردوں کی حالت کو دیکھ کر سر محمد اقبال
ایک جگہ فرماتے ہیں سے

وہ دن بھی تھے کہ خدمتِ استاد کے عوض
جی چاہتا تھا بدیہ، دل پیش کیجیے
آیا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق
کہتا ہے ماسٹر سے کہ پل پیش کیجیے
مطلب۔ ایک دن تو وہ تھا کہ استاد کی خدمت کے بدلے
اپنا دل قربان کر دینے کو جی چاہتا تھا۔ مگر اب یہ حالت ہے
کہ سبق پڑھ چکنے کے بعد لڑکا اپنے استاد سے اس کی اجرت
کا بل طلب کرتا ہے۔ گویا استاد کا درجہ اب ایک مزدور یا نوکر
کے برابر ہی رہ گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آج کل کے لڑکوں میں صرف سطحی تعلیم
ہے۔ وہ کتا ہیں تو پڑھ جانتے ہیں۔ مگر سچی تربیت جو تعلیم کا اصلی
مَدعا ہے اُن سے کوسوں دُور ہے۔

ادوم ششم

اوم شری پریاتنے نہ

گرو سیوا۔ صفائی۔ سرتا

حجم کے تپ کا ذکر کرتے ہوئے بھگوان فرماتے ہیں۔

देवद्विजगुरुप्राज्ञपूजनं शौचमार्जवम् ।

ब्रह्मचर्यमहिंसा च शरीरं तप उच्यते ॥

دیو۔ دوج۔ گرو۔ پرائیہ۔ پوجنم۔ شوچم۔ آرجوم

برہمجیو۔ آہنسا۔ چہ۔ شاریرم۔ تپ۔ ا۔ پچیتے ^{۱۶}/_{۱۷}

ارکھ۔ دیوتا۔ برہمن۔ گرو اور گیانی کی پوجا کرنا۔ صفائی۔ سرتا
یعنی سیدھا پن۔ برہمجریہ یعنی جبر و ادو آہنسا یعنی بے آزاری یہ حجم
کے تپ کہلاتے ہیں۔

پچھلے مضمون میں بتا چکے ہیں کہ گرو سیوا کس قدر قیمتی اور
مفید تپ ہے۔ پچھلے زمانے میں شاگردوں کے دل میں اپنے گرو
کے متعلق کس قدر عزت ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ وہ اپنے گرو پر جان تک
قربان کرنے کو تیار ہوتے تھے۔ مگر آج کل ایسا زمانہ آیا ہے کہ گرو

کی عزت تو درکنار۔ اُن سے ہنسی مذاق اڑانا معمول ہو گیا ہے۔ یہ دراصل ودیا رتھوں کی بد بختی کی نشانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل کے طلباء سچے معنوں میں تعلیم یافتہ نہیں کہے جاسکتے۔ اُن کی تعلیم صرف سطح تک ہے فقط باہر کی نمائش ہے۔ اس میں کوئی گہرائی نہیں ہوتی۔ کتابیں تو وہ بہت سی پڑھ لیتے ہیں۔ مگر تربیت جو تعلیم کا اہلی مدعا ہے وہ اُن سے بہت دور ہوتی ہے۔

اسی واسطے تو بھگوان شری کرشن چندر جی مہاراج نے گرو کی پوجا کو انسان پر لازمی ٹھہرایا ہے۔ گرو سیوا اور گرو پوجا جسم کے بڑے بھاری تپ ہیں۔

دیوتا۔ برہمن گورو اور گیانی کی پوجا کے بعد بھگوان فرماتے ہیں۔ کہ سچ یعنی صفائی یا پاکیزگی بھی جسم کا تپ ہے۔ جسم ایک برتن کی مانند ہے جس میں گیان، دھیان، ریش کام کرم، لوگ وغیرہ کی قیمتی سے قیمتی کیمیا میں تیار کی جاسکتی ہیں۔ جس طرح سیلے برتن میں دہی بلونے سے پھاچھ اور ماٹھن دونوں سیلے ہو جاتے ہیں۔ اور اُن کو استعمال کرنے کو دل نہیں کرتا۔ اسی طرح اگر انسان کا جسم غلیظ ہے۔ صاف ستھرا نہیں ہے تو اُس کے خیالات بھی صاف اور پاکیزہ نہیں رہ سکتے۔ مَن اور بدھی کی شدھی کے لئے تن کی شدھی لازمی ہے۔

پاتنجل لوگ شاستر میں لوگ ابھياس کے لئے پانچ نیوٹوں کی

مہاشیت کی گئی ہے ان میں سے سب سے پہلا اور ضروری تیم شوچ
یعنی صفائی ہے چنانچہ پاتنجلی لیگ شاستر کا دستور ہے۔

“सत्त्वशुद्धिसौमनस्यैकाग्रचेन्द्रिय जयात्मदर्शन
योग्यत्त्वानि च ।”

(पातंजल योग शास्त्र)।

ستو شد ہر سوسنس۔ ایک اگر اندری ہے۔ آتم درشن یوگیتوانی ہے
ارکھ۔ شوچ یعنی پاکیزگی کے مکمل ہونے پر انسان کی بدھشی عقل
پاک ہو جاتی ہے۔ اس کا من قابو میں آ جاتا ہے۔ اور شانت ہو
جاتا ہے۔ اندریوں یعنی حواس خمسہ پر انسان کامل فتح حاصل کر
لیتا ہے۔ اور آتما کے درشن کرنے کا حقدار ہو جاتا ہے۔
اس لئے تو شوچ کو جسم کا تپ گردانا گیا ہے۔
انگریزی زبان کا ایک مقولہ ہے۔

“Cleanliness is next to godliness.”

یعنی صفائی کا درجہ خدائی کے بہت ہی نزدیک ہے۔
روحانیت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان صاف و
پاکیزہ ہو۔

بنجابی زبان میں بھی کہاوت ہے۔

“صفائی بعد خدائی”

اُردو کا ایک شعر ہے۔

صفائی عجب چیز دُنیا میں ہے

صفائی سے بہتر نہیں کوئی شے

شُوح کے بعد آج ہم یعنی سیدھا پن کو جسم کا تپ شمار کیا گیا ہے
چاہے کچھ ہو جائے انسان اپنے سیدھے پن کو نہ چھوڑے
دیوار میں ٹیڑھا پن انسان کے آتما کو پلوتر یعنی ناپاک کر دیتا ہے اور
اس کے دل میں ہر قسم کے گناہ کا بیج بونہا ہے۔ برعکس اس کے
راستی تمام انسانی خوبیوں اور نیکیوں کا سرچشمہ ہے۔

لوگ عام طور پر کہہ دیتے ہیں کہ آجکل سیدھے آدمی کی جگہ
نہیں ہے۔ یہ غلط ہے۔ انسان سیدھا ضرور ہو مگر بیوقوف نہ ہو۔
سیدھے آدمی کو چاہے شروع شروع میں تھوڑی بہت دقتیں
پیش آجائیں۔ مگر اُس کا انجام ضرور ہی اچھا ہوگا۔
فارسی زبان کا شعر ہے۔

راستی موجبِ رضا ہے خداست

کس ندیم کہ گم شد از راہِ راست

ترجمہ۔ سچائی یعنی سیدھا پن پر ماما کے حکم کے مطابق ہے
کسی شخص کو آج کل سیدھے راستے سے گم ہوتے نہیں دیکھا۔
سیدھا راستہ چاہے لمبا ہو۔ چاہے کھن ہو مگر آخر میں
منزلِ مقصود پر لے جائے گا۔ سیدھے راستے پر چلنے والے

کی خود قدرت امداد کرتی ہے۔ اسی واسطے تو آرجوم یعنی طبیعت میں سیدھے پن کو جسم کا تپ قرار دیا گیا ہے۔

بھگوت گیتا میں آرجوم کی جہاں کا ذکر کئی جگہ پتا یا سہتے تیرہوں اور دھیائے میں گیان کے لکشنوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھیا گوان فرماتے ہیں۔

अमानित्वमदमित्वमहिंसा क्षान्तिर्गर्जवम।

امان تو م۔ دم۔ بھتوم۔ اہنسا۔ کھیانتی۔ آرجوم $\frac{13}{14}$ ارکھ۔ انکسار۔ دھوکا نہ دینا۔ بے آزاری۔ معاف کر دینا اور سررتا یعنی سیدھا پن یہ سب گیان کے لکشن ہیں۔ یعنی گیان کے اصول کے لئے یہ سب ضروری ہیں۔ ان کا نہ ہونا گیان کی نشانی ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو طبیعت کا میڈھا پن بھتو سیانہ وغیرہ آزار دینے والے جانوروں کا خاصہ ہوتا ہے۔ انسان اگر سچے معنوں میں اشرف المخلوقات ہے تو اس پر فرض ہے۔ کہ آرجوم یعنی سیدھے پن کو قبول کرے اور مردانہ وار راہ راست پر چلے۔ وہ کبھی بھی گمراہ نہیں ہوگا۔

ان کے بعد جسم کے تپوں میں برہمچریہ اور آہنسا کا شمار کیا گیا ہے۔ ان کا بیان اگلے مضمون میں کریں گے۔ اوم ششم

اوم شری پرما تنے منہ

برہمچریہ کی برکت

جسم کے تپ کے سلسلے میں کچھلے مضمونوں میں بتا چکے ہیں کہ دیوتا - برہمن - گرو اور گیانی کی پوجا یعنی دل سے عزت کرنا صفائی اور سرتا یعنی سیدھے پن کا رکھنا - یہ جسم کے تپ ہیں - ان کے علاوہ برہم چریہ اور اہنسا یہ بھی جسم کے تپ ہیں - ان کا ذکر آج کے مضمون میں کیا جاتا ہے -

برہمچریہ کا لفظی ترجمہ ہے برہم کا بیج - انگریزی میں اس کو (Seed of the Eternal) کہتے ہیں - پرمانے انسان کو اشرف المخلوق پیدا کیا ہے - اس کی شرافت اس بات میں ہے کہ اس کے اندر جو برہم کا بیج موجود ہے - اس کی دل و جان سے خلقت کرے - اس کو ضائع نہ کرے - برہم کا بیج انسان کے وجود میں ایک امانت ہے اس کو سنبھال کر رکھنا انسان پر فرض ہے - اسی لئے تو لکھوان کرشن چندر جی نے برہمچریہ کو جسم کی ریافتوں میں شمار کیا ہے - اس کو جسم کا تپ گروانا ہے -

انسان ذرا غور کر کے دیکھیے۔ تو اُسے پتہ لگیگا کہ خوراک کے کئی قیمتی لقمے جا کر ایک قطرہ خون پیدا کرتے ہیں۔ ڈاکٹروں کا بیان ہے کہ تقریباً ۸۰ قطرے خون مل کر ایک قطرہ دیرہ کا پیدا کرتے ہیں البتہ قیمتی چیز کی حفاظت جس قدر بھی کی جائے تھوڑی ہے۔ ہماری کم عقلی کا اندازہ تو اس سے لگ سکتا ہے کہ ہم اپنی شہوت کے قابو میں آ کر اپنا دیرہ بے دردی سے ضائع کرتے ہیں۔ اور روپیہ بھی ساتھ ہی برباد کرتے ہیں۔ اور اسی کا نام عیش رکھ دیتے ہیں۔ بھلا اس سے بڑھ کر ہماری حماقت اور کیا ہو سکتی ہے۔

دیرہ پر ہی انسان کی زندگی بڑھنے اور گھٹنے کا دارومدار ہے جس انسان کے اندر دیرہ کی حفاظت ہوتی رہتی ہے۔ اس کی عمر لمبی ہوتی ہے اور جہاں اس کی حفاظت نہیں ہوتی وہاں عمر چھوٹی اور صحت سے خالی ہوتی ہے جس جسم میں ہر سچیرہ کا تپ موجود ہوتا ہے اس کے لئے زندگی کیسی پُر لطف ہوتی ہے۔ وہ ایسا محسوس کرتا ہے گویا ایک شادمانی اور خوشی کی نہر میں ہر وقت ڈوبکیاں لے رہا ہے وہ ہمیشہ خوش و خرم رہتا ہے۔ اس کے چہرے پر جلال ہوتا ہے آنکھ میں چمک ہوتی ہے۔ ماتھے سے تیج ٹپکتا ہے۔ اور سارے جسم میں پھرتی اور ہلکا پن ہوتا ہے۔ برعکس اس کے جو شخص ہر سچیرہ کا پالنہ نہیں کرتا۔ اس پر ہمیشہ مُردنی چھائی رہتی ہے۔ وہ ہر وقت سستی اور بوجھ محسوس کرتا ہے۔ اس کی آنکھ بے رونق ہوتی ہے۔ اس کا ماتھا

بے آب ہوتا ہے۔ اس کا جسم بیماریوں کا گھر ہوتا ہے جسے کہ زندگی اس کے لئے وبالِ حیاں ہوجاتی ہے اور اس کی ہر وقت یہی خواہش ہوتی ہے کہ کب اس عذاب سے۔ اس بوجھ سے چھٹکارا نصیب ہو۔

فارسی کے مشہور شاعر عمر خیام کی ایک رباعی ہے۔
ہر دل کہ درد مایہ بجز تیرے کم است

بیچارہ ہمہ عمر ندیمِ ندیم است
جز فارغِ خاطر کہ تشا طے دارد

باقی ہمہ ہر چہ ہست۔ اسبابِ غم است

ترجمہ۔ جس دل میں تجرید نہیں ہے یعنی جو برہمچریہ کا پالن نہیں کرتا۔ وہ ساری عمر شرمندہ اور مایوس رہتا ہے۔ اس کے دل میں کبھی بھی خوشی نہیں رہ سکتی۔ دل کی سچی خوشی سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہے۔ دل کی فراغت کے علاوہ جو کچھ بھی دنیا میں ہے دکھ کا باعث ہے۔

برہمچریہ سے دل کی تقویت بڑھتی ہے۔ دل میں خوشی کی مانند ہر وقت موجود رہتی ہے۔ انسان آزاد طبیعت ہو کر دن گزارتا ہے اس کے لئے زندگی گویا لطف و مسرت کا اُمڈا ہوا دریا ہوتا ہے۔ پاتنجل سنی جی ہاراج نے یوگ کے آٹھ انگ یعنی اجزائے ہیں۔ پہلے جز کو نیم کہا ہے۔ پاتنجل جی نے پانچ نیموں کی ہدایت فرمائی ہے۔ ان نیموں میں سے چوتھا نیم **برہمچریہ** ہے۔

چنانچہ لوگ شاستر کا سوت رہے۔

ब्रह्मचर्य प्रतिष्ठायां वीर्यलाभः ॥

(برہم چریہ - پرشٹھایام - ویریہ لاہیا)

ارکھ - برہمچریہ کے درپرٹھ یعنی پختہ ہو جانے سے انتہائی درجہ کی ویرتا یعنی بہادری اور جو امنزدی انسان میں آجاتی ہے۔

پورن برہمچاری کو کوئی شخص اور کوئی طاقت نہیں جیت سکتی وہ اچھے ہو جاتا ہے۔ اس کو کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔

کرم ویر بندہ بیراگی کو گورو گو بند سنگھ جی مہاراج نے اپنے سکھوں کی سرکردگی پشور کرتے ہوئے اُن سے یہ آپدیش کیا تھا کہ ل بہادر! جب تک تم برہمچریہ کے برت کا پوری طرح سے پالن کرتے رہو گے۔ تم پر کوئی طاقت فوج نہیں پاسکتی۔ مگر جو ہنی تم اس برت سے گرو گے تم مغلوب ہو جاؤ گے۔ چنانچہ تواریخ اس بات کی گواہ ہے۔ جب تک بندہ بیراگی مجرور رہا۔ برہمچاری رہا۔ فوج اس کے پاؤں چومتی رہی۔ اس کے کارناموں کو دیکھ کر ایک پہاڑی راجا نے ایک نہایت ہی خوبصورت لڑکی بندہ بیراگی کے پاس بطور تحفہ بھیج دی۔ اور بندہ بیراگی نے اس سے شادی کر لی۔ پس برہمچریہ برت کا ٹوٹنا تھا۔ کہ بندہ بیراگی کی قسمت بھی الٹ گئی۔ اب ہر طرف سے اور ہر موقع پر بندہ بیراگی کو شکست پر شکست لینے لگی۔ حتیٰ کہ وہ

دہو کے سے قید کر لیا گیا۔ اور عذاب کی موت سے مار ڈالا گیا۔
یہ تھی برہمچریہ کی شکتی۔ چنانچہ دیر یہ کوشا ستروں میں اُمرت کہا
گیا ہے جو دیر یہ کی حفاظت کرے گا۔ گویا وہ اُمرت کا لطف اٹھائے گا
اور لائانی ہو جائے گا۔

سوامی دیانند جی سرسوتی بال برہمچاری تھے یہ ان کے برہمچریہ
کی شکتی تھی کہ بڑے بڑے کہنہ مشق پنڈت شاسترارتھ میں سوامی
جی کے بالمقابل بار جاتے تھے۔ مقرر تھراتے تھے۔ کوئی سوامی جی کا
سامنا کرنے کا حوصلہ نہ کر سکتا تھا۔

مہاتما گاندھی جی اپنے جیون چرتہ میں فرماتے ہیں کہ انہوں
نے ۱۸۹۹ء سے برہمچریہ برت کا پالن کیا ہوا ہے۔ یعنی اس کمٹن
برت کو دھارن کئے ہوئے انہیں ۲۷ سال کا عرصہ ہو گیا ہے
یہ تپ کا جیون ہے۔ یہ برہمچریہ کی برکت ہے جس کی بدولت آج
دنیا بھر میں اُن کی اس قدر عزت اور شان ہے۔

ادوم ششم

ادم شری پر ماتنے منہ

برہمچریہ اور لوگ ابھیا

برہمچریہ کی مہاں یعنی عظمت کا کچھ بیان پچھلے مضمون میں کر چکے ہیں۔ برہمچریہ سے جسم طاقتور بنتا ہے۔ دل کی تقویت بڑھتی ہے۔ برہمچریہ سے من کی غلطیتیں دور ہو جاتی ہیں اور انسان گیان۔ بھگتی اور لوگ ابھیا کے راستہ پر چلنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

پرشن اُپانشد کے شروع میں آیا ہے کہ چھ برہمنی پیلاد منی کے آشرم میں پہنچے۔ اور منی جی مہاراج سے پرارتنہ کی کہ وہ انہیں برہم کا اُپدیش دیوں۔ حالانکہ وہ چھ برہمنی تپ اور سوا دھیائے میں بہت بڑے ہوئے تھے۔ تاہم پیلاد منی نے اُن کو برہم دیا کا اُپدیش لینے کے مستحق نہ سمجھا۔ اور اُن رشتیوں سے مطالبہ کیا کہ وہ ایک سال اُس کے آشرم میں رہ کر برہمچریہ اور شرودھا کا تپ کریں۔ اس کے بعد وہ اُن کے سوالوں کا جواب دیں گے۔ چنانچہ اُن چھ رشتیوں نے ایک سال برہمچریہ کا ورت رکھا۔ اس کے بعد پیلاد منی نے انہیں برہم دیا کا اُپدیش دیا۔ یہ ہے برہمچریہ کی مہاں۔ برہمچریہ کے ورت کے بغیر انسان

برہم و دیا کا ادھیکاری ہی نہیں بن سکتا۔

برہمچریہ کے ورت کے بغیر لوگ ابھياس نامکن ہے۔ لوگ ابھياس سے مراد ہے ایسی مشق جس سے جیو آتما کا پراتنا سے ملاپ ہو جائے۔

برہمچریہ کے بغیر ابھياس بہت ہی کٹھن ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بھگوت گیتا کے چھٹے ادھیائے میں بھگوان لوگ ابھياس کا طریقہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

प्रशान्तात्मा विगतभीर्ब्रह्मचारिव्रते स्थितः।

मनः संयम्य मच्चित्तो युक्त आसीत् मत्परः॥

پر شانت آتما۔ وگت بھی۔ برہمچاری ورتے۔ ستھتا

مناسیم۔ مچھو۔ یکت۔ آسیت۔ منٹ پر ۶/۱۴

ارکھ۔ اے ارجن! لوگ ابھياس کرنے والا آدمی برہمچریہ کے ورت کا پورا پالن کرے اور غوف سے خالی ہو کر اور اپنے اتاکرن کو شانت کر کے اپنے من کو قابو کرے۔ اپنے چت کو مجھ میں لگا دے اور میری پناہ میں اپنے آپ کو محسوس کرتا ہوا لوگ میں بٹھیرے۔

برہمچریہ سے آتما کی شکتی بڑھتی ہے جس سے لوگ ابھياس آسان ہو جاتا ہے۔

مُندک اپنشد میں بھی آیا ہے۔

۵۔ من کو روک کر۔ ۶۔ مجھ میں چت والا

“नायमात्मा बलहीनेन लब्धः ॥”

نایم آتما - بل ہین این - بھٹیو

یعنی پر ماتما کمزور کر یا بل سے گرے ہوئے کو نہیں مل سکتا۔

جس طرح دنیا کے پدارتھوں کو حاصل کرنے کے لئے شکتی درکار ہے۔ مثلاً مہمانی طاقت - دماغی طاقت یا سوسائٹی کی طاقت۔ ویسے ہی پر ماتما کو حاصل کرنے کے لئے آتما کی طاقت یا آتمک شکتی کی ضرورت رہے اور برہمچریہ آتمک شکتی کی اصلی بنیاد ہے۔ برہمچریہ کے بغیر آتمک شکتی نہیں ہو سکتی۔

بھگوت گیتا میں بار بار آیا ہے کہ کام یعنی شہوت ہی انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔

چنانچہ بھگوت گیتا کے تیسرے ادھیائے میں فرماتے ہیں۔

पाप्मानं यजहि ह्येनं ज्ञानविज्ञान नाशनम् ॥

پاپ مانم - یجھی - ہی - نیم - گیان - وگیان - ناشنم

ارکھ - اے ارجن! گیان اور وگیان کے ناش کرنے والے اس پاپی کام کو تو تہمت کر کے بار ڈال۔

کام یعنی شہوت کا مارنا یا جیتنا ہی گیان کی سیڑھی پر چڑھنا ہے مگر کام کا جیتنا بھی کٹھن ہے۔

بھگوت گیتا کے تیسرے ادھیائے کے آخر میں پھر فرماتے ہیں۔

जहिशत्रु महाबाहो कामरूपं दुरासवम् ॥

جہی - شترم - مہا بابو - کام رُپم - دُراسم ۳
 ارکھ - اے بلوان ارجن! تو اس کام روپی دشمن کو جیت لے۔
 یہ تیرا سب سے بڑا دشمن ہے اور یہ مشکل سے جیتا جا سکتا ہے
 اس کے چیتنے میں تمہیں بہت ہی کوشش کرنی پڑے گی۔

کام کو جیتنا اور برہم چریہ کا پالن کرنا یہ ایک ہی بات ہے
 جو شخص برہمچریہ کا برت پوری طرح پرکھ سکتا ہے۔ اس نے گویا
 کام روپی دشمن کو مار ڈالا ہے۔ کیونکہ کام یعنی شہوت ہی برہمچریہ
 کے ورت میں خلل ڈالنے والا ہے۔ اگر برت پورا نہ جائے تو
 گویا کام کا خاتمہ ہو گیا۔

اس لئے تو بھگوان سری کرشن جی مہاراج نے بھگوت گیتا
 میں برہم چریہ کو جسم کا تپ قرار دیا ہے۔ جو شخص اس برت کا
 پالن نہیں کر سکتا۔ وہ تپسوی کہلانے کا مستحق نہیں ہے اور
 اس کے لئے بھگتی۔ گیان اور یوگ کے رستے خود بخود بند ہو جاتے
 ہیں۔ برعکس اس کے برہمچریہ کا پالن کرنے والے کے لئے روحانی
 مدارج ملے کرنا بہت ہی آسان ہو جاتا ہے۔

آجکل برہمچریہ کی حالت بہت پست ہے بلکہ لوگ اس لفظ
 کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور اس ورت کا دھارن کرنا بے سود سمجھتے

ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل لوگوں کی جسمانی۔ دماغی اور روحانی
حالتیں بہت ہی کمزور ہیں۔

ادم شمم

بھنگ
لوگر
ضررہ
کی
نہ
کو

ادم شری پر ماتنے نہ

برہمچریہ اور بھگوت درشن

پچھلے مضمون میں بتا چکے ہیں کہ برہمچریہ کے برت کے بغیر نہ تو بھگوان کی بھگتی ہو سکتی ہے۔ نہ گیان حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اور نہ لوگ ابھیا س ہو سکتا ہے۔ بھگوان کی پراپتی کے خواہشمندوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ برہمچریہ کے ورت کا پالن کریں۔ اس کے بغیر تو بھگوان کی پراپتی کی خواہش کرنا بھی فضول ہے۔ بلکہ پاگل پن ہے۔

ایں خیال است و محال است و جنوں
بجزد کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں۔ چنانچہ مہاریشیوں نے بجزد کے ورت کو دھارن کر کے کھٹن سے کھٹن روحانی منزلوں کو طے کیا ہے۔

روحانی منزل کی بابت شیخ فرید صاحب فرماتے ہیں کہ

والوں کی - کھٹنوں کی

یعنی بال سے باریک اور آسترے کی دھار سے بھی تیز ہے۔

کٹھ آپ نشہ میں بھی آیا ہے۔

सुरस्य धारा निशितादुत्थया दुर्गं पथसत्कथयोवदन्ति

گھرسہ۔ دھارا نیشتا۔ دُرت ییا۔ دُرگم پتھس۔ نِشْت۔ کوئیو۔ دُونتی
 ارکھتہ۔ برہم گیان کارانہ چھڑے کی تیز دھاک پیر کھٹن ہے اور اسی کو دودان
 لوگ دُرگم مارگ کہتے ہیں۔ یعنی ایسا راستہ جہاں پہنچنا دشوار ہے۔
 کڑی منزل کے لئے تیاری بھی کڑی درکار ہوتی ہے۔ روحانی
 رستہ پر چلنا خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔

گورو گوہند سنگھ جی ہمارا ج کا قول ہے ۵
 سبیں دیاں بے ربتے تاں وی سستا جان
 یعنی اگر اپنا سروے دینے پر بھی پرماتما مل جائے تو بھی ایسے کوٹ
 کو سستا ہی سمجھ۔
 اسی واسطے تو بھگوان نے بھگوت گیتا میں فرمایا ہے۔

मनुष्याणां सहस्रेषु कश्चिद्यतति सिद्धये ।

यततामपि सिद्धानां कश्चिन्मां वेत्ति तत्त्वतः ॥

نیشیا تڑام۔ سہسڑے شو۔ کشتیت۔ یتتی۔ سدا ۱۴
 یتام اپی۔ سدا نام۔ کشچین۔ مام۔ دیتی۔ توتہ ۱۵
 ارکھتہ۔ فرماتے ہیں۔ اے ارجن! ہزاروں انسانوں میں سے کوئی
 ورنہ سدا ہی کے لئے کوشش کرتا ہے اور کوشش کرنے والوں

میں سے بھی کوئی ورلا میری اصلیت کو جان سکتا ہے۔
 ایسی مشکل منزل کو طے کرنے کے لئے بڑے بڑے کٹھن ورتوں
 کی ضرورت ہے اسلئے برہمچریہ کا برت پالن کرنا بہت ہی ضروری ہے۔
 شریہ بھگوت گیتا کے آکھٹوں ادھیائے میں بھگوان فرماتے
 ہیں۔

यदक्षरं वेदविदो वदन्ति
 विशन्ति यद्यतयो वीतरागाः ।
 यदिच्छन्तो ब्रह्मचर्यं वरन्ति
 ततो पदं संग्रहेण प्रवक्ष्ये ॥
 بیت اکھرم - وید ورتو - وودنتی
 ویشنتی - بیت - یتو - ویت - راگا

۸
 یتو - اچھنتو - برہمچریہ - چسرتی
 تے پدم - سنگرہنیہ پر وکھیے

اے ارجن! جس پریم پد کو وید کے جاننے والے اونکار
 کے نام سے کہتے ہیں۔ جس میں ویت، راگ، دھاتا یعنی ایسے مہاتما
 جنہوں نے تعلیق کی تمام زنجیروں کو توڑ ڈالا ہے پرولش کرتے ہیں
 یعنی سما جاتے ہیں۔ جس پریم پد کو چاہئے دے برہمچریہ کا پالن کرتے
 ہیں۔ اس پریم پد کو میں تیرے لئے اختصار سے کہتا ہوں۔
 لہذا بھگوان کی پراپتی کی خواہش کرنے سے پہلے لازمی ہے

کہ انسان برہمچریہ کے ورت کا پالن کرے۔ مگر ایسا نہیں کرتا تو اس کی خواہش بے معنی ہے۔ فغول ہے۔ فغض خواب کی مانند ہے۔ تقریباً اسی طرح کا ایک منتر کھٹ اپ نشد میں بھی آیا ہے۔

सर्वे वेदा यत्पदमामनन्ति

तपांसि सर्वाणि च यद्वदन्ति ।

यदिच्छन्तो ब्रह्मचर्यं चान्ति

त्ते पदं संग्रहेण ब्रवीम्योमित्येतत् ॥

سرؤے ویدا۔ ایت۔ پدم آ منستی

تپانسی۔ سروانڑی۔ چ۔ پد۔ دوتنی

پد۔ اچھنتو۔ برہمچریہ۔ چ۔ پد۔ ایت

تتے پدم۔ سنگرہین۔ بروہی۔ ادم۔ اتی۔ ایت

الکھ۔ جس پدم پد کا بیان سارے دید کرتے ہیں۔ تپسوی لوگ جس کا ذکر کرتے ہیں جس پدم پد کی خواہش رکھتے ہوئے ہاتھ لوگ برہمچریہ کا پالن کرتے ہیں۔ اختصار سے وہ پدم پد میں تجھ سے کہتا ہے وہ اوم ہی ہے۔

اُس سچا اند کی پراپتی کے لئے ہاتھ لوگ برہمچریہ یعنی تجھ کا مشکل برت دھارن کرتے ہیں۔

برہم چریہ کا برت واقعی بہت مشکل ہے۔ مگر اس برت کو دھارن کرنے سے جو رکٹین دستیاب ہوتی ہیں۔ وہ بھی بیش بہا

ہیں۔ اسی واسطے تو بھگوان نے برہم چریہ کو جسم کا تپ قرار دیا ہے

اوم ششم

سینم
س کی
ہے۔
-
ک
لوگ
ہتہا
د کا
ک
ہا

ادم شری پر ماتنے نہ

اہنسا

جسم کے تپوں کا ذکر کرتے ہوئے پچھلے مضمونوں میں بتا چکے ہیں کہ دیوتا - برہمن - گرد اور دودوان کی عزت کرنا - صفائی - طبعیت کا سیدھا پن اور برہمچریہ یعنی بقرہ - یہ جسم کے تپ کہلاتے ہیں۔ ان کے علاوہ اہنسا یعنی بے آزاری بھی جسم کا تپ کہا گیا ہے۔ اہنسا کو انگریزی زبان میں (Voluntary Non-violence) کہتے ہیں۔ اہنسا یا (Non-violence) یہ پشودرتی ہے۔ یہ حیوانی سیرت ہے جو تقریباً ہر حیوان میں پائی جاتی ہے اور پھر حیوانات سے انسانوں کی وراثت میں آئی ہے۔ اس ورتی کے روکنے سے انسان حیوانوں سے فاضل ہوتا ہے اور اسٹرن مخلوقات کہلانے کا حقدار تو انسان تب ہو سکتا ہے جب اس میں ہنسا ورتی بالکل ہی نہ رہے۔ کسی جاندار کو تکلیف پہنچانا بہت ہی بڑا گناہ ہے۔ چنانچہ مولانا رومی صاحب فرماتے ہیں

(رباعی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

ہزار گنج عبادت - ہزار گنج کرم
 ہزار طاعتِ شبہا - ہزار بیداری
 ہزار سجدہ و زہر سجدہ ہزار نماز
 قبول نیست اگر طارے بی زاری
مطلب - اے انسان! اگر تو عبادت کے گوشے میں بیٹھ کر
 ہزار عبادتیں کرے اور ہزاروں روپے سخاوت کے خزانہ سے لٹوا
 دیوے - ہزاروں راتیں جاگ کر خدا کی عبادت میں صرف کر دیوے
 ہزاروں سجدے کرے اور ہر سجدے کے ساتھ ہزار ہزار نماز پڑھے
 یہ تنہا سب کیا کرایا منافع ہے۔ اگر تو نے ایک پرندے کو بھی تکلیف
 پہنچائی۔

انتی نیکیاں ایک طرف اور ایک پرندے کو دکھ پہنچانا ایک طرف
 بلکہ ایک پرندے کو تکلیف دینے سے سب نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں
 اسی واسطے تو مہندو دھرم امنہ کی پُر زور سفارش کرتا ہے اور
 امنہ کو پریم دھرم یعنی سب سے اوچھا دھرم بتلاتا ہے۔

چنانچہ گو سوامی تلکیداس جی ہمارا ج فرماتے ہیں

دیا دھرم کا ٹول ہے زک ٹول ابھیسان

تلسی دیا نہ چھوڑے جب لگ گھٹ میں پران

ارکھ - دیا یعنی رحم دھرم کی جڑ ہے۔ جس دھرم میں رحم کی گنجائش
 نہیں ہے وہ گویا ایک ایسا درخت ہے جس کی جڑ نہیں ہے۔ آگے

کہتے ہیں کہ عزور یعنی ابھیان دوزخ لے جانے والا ہے۔ اس پر گوساوی جی فرماتے ہیں کہ جب تک انسان کے وجود میں سانس ہے اُسے چاہیے کہ وہ غریبوں، محتاجوں پر دیا کرتا رہے۔

دوسروں پر دیا کرنے سے انسان کی اپنی روحانی طاقت بڑھتی ہے۔ اُس کی آئینہ بنتی ہوتی ہے۔

جو شخص کسی کو سستا تا ہے۔ کسی کے جسم اور دل کو صدمہ پہنچاتا ہے اَدل تو وہ شخص خود ہی اپنے خیالات سے اپنے دل کو گزندہ، ناپاک اور زہریلا بناتا ہے۔ اور پھر مظلوم کے دل سے جواہر و فریاد نکلتی ہے یہ یقیناً کے دل سے جو بد دعائیں نکلتی ہیں۔ وہ اس مردم آزار، دلازار اور ستمگار کے دل کو بھلی احساس اور حیوانی جذبات سے بھر کر اُسے غلیظ و ناپاک کر دیتی ہیں۔ وہ شخص کثیف مزاج ہوتا جاتا ہے اور ملامت طبع اس سے آہستہ آہستہ دور ہوتی جاتی ہے۔ وہ شخص سمجھتا ہے کہ اُس کا رعب و دبدبہ بڑھ رہا ہے مگر اُس بد نصیب کو یہ خبر نہیں کہ دلازار اور ستمگاری کرنے سے وہ انسان سے حیوان اور درندہ بن رہا ہے۔

غیبت یعنی چٹلی، توہین اور عیب جوئی یہ سب سے بدتر مہنسا ہے اس سے کمتر درجہ کی مہنسا گوشت خواری ہے۔ دونوں ہی عادتیں بُری ہیں اور دونوں ہی روحانی ترقی میں زبردست روکاؤ ہیں۔ دونوں انسان کو لوگ دھکتی اور گیان کی دولت سے محروم کر دینے والی ہیں۔

مہنسا کرنے والا انسان حد درجہ کاسیہ کار غضبناک۔ بے انصاف

اور ظالم ہوتا ہے اس میں درندہ حیوانوں کے جذبات آ جاتے ہیں۔ وہ گویا انسان نما درندہ ہے۔ شکار مارنے والے حیوانات غضبناک تو ہوتے ہیں۔ لیکن اُن میں سچی شجاعت نہیں ہوتی۔ آرٹ میں شکار مارنے کے حادی ہوتے ہیں۔ اور اپنے سے کمزور پر حملہ کرتے ہیں۔ مگر اپنے سے طاقتور سے بھاگ جاتے ہیں۔

شیر ہنسا کرنے والا جانور ہوتا ہے مگر شیر میں سچی بہادری اور شجاعت نہیں ہوتی۔ ہرن و عنیب بیکس جانوروں پر بڑے شوق سے حملہ کرتا ہے اور انہیں مارتا ہے مگر گولی کھا کر بھاگ جاتا ہے۔ یہ بُز دلی نہیں تو اور کیا ہے۔

اسی طرح ہنسا کرنے والے انسان بھی دراصل بُزول ہوتے ہیں اپنے سے چھوٹے اور کمزور آدمیوں پر وہ شیر ہوتے ہیں۔ مگر جو ہنی کوئی اپنے سے زبردست سے پالا پڑا تو یہ بھیگی ہوئی مٹی بن جاتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں اہنسا کا دلدادہ انسان بچے معنوں میں بہادر اور شجاع ہوتا ہے وہ اپنے سے کمزور پر ہٹا ہٹا اٹھانا بغیر تکی سمجھتا ہے۔ اور اپنے سے زیادہ بلوان سے دم ٹھونک کر لڑتا ہے اہنسا کا دُرت رکھنے والا آدمی اصول پسند ہوتا ہے۔ اصول کو ٹوٹا دیکھ کر وہ اپنی جان لڑا دیتا ہے۔ بلکہ جان پر سے کھیل جاتا ہے اُسے اصول پیارا ہے۔ زندگی پیاری نہیں ہے۔

ہندو قوم میں اہنسا بہت بدنام ہو گیا ہے اور اکثر اوقات سُننے

میں آتا ہے کہ اہنسا نے ہندو قوم کو کمزور کر دیا ہے۔ یہ احساس ٹھیک نہیں ہے۔ اہنسا سے نہ انسان کمزور ہوتے ہیں اور نہ قوم۔ بلکہ اہنسا ایک بڑی طاقت کا باعث ہوتا ہے البتہ جھوٹا اہنسا کمزوری کا باعث بن جاتا ہے۔ ہندو قوم کو اہنسا نے کمزور نہیں کیا۔ بلکہ اُن کی کمزوری اُن کی بزدلی کی وجہ سے ہے۔ ہندو قوم میں اس وقت بھی اہنسا کی بہت کمی ہے۔ کیا ہندو اپنے سے کمزور پر ظلم کرنا برا سمجھتے ہیں؟ نہیں اگر اُن کا بس چلے تو اچھی خاصی زیادتی کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہندوؤں نے اچھوتوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ بیوگان اور یتیموں کے ساتھ کیا سلوک روار کھتے ہیں۔ اپنے سے کمزور کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کرنے والی قوم اپنے آپ کو اہنسا کی دلدادہ کیسے کہہ سکتی ہے۔ ہندو قوم میں فی الواقع اہنسا کی بہت کمی ہے۔ البتہ جب ان کا کوئی بس نہیں چلتا۔ جب ان کا مقابلہ اپنے سے زیادہ زبردست سے ہوتا ہے تو یہ اپنی بے بسی کو اہنسا کا نام دے کر اپنے دل کو خوش کر لیتے ہیں۔ مگر سچے معنی میں یہ اہنسا بھاونہیں ہے۔ یہ بزدلی ہے۔

اوم شرم

اوم شری پرا تنے نہ

امنسا پر مودھرا

پچھلے مضمون میں بتا آئے ہیں کہ ہنسا یعنی ستم گاری یا کسی پر ظلم کرنا۔ یہ حیوانی خصلت ہے۔ یہ پشتو دیتی ہے اور اس خصلت کے روکنے سے ہی آدمی انسان بنتا ہے۔ جب تک اس میں ہنسا بھاو ہے تب تک وہ حیوان ہے۔ واقعی سچے معنوں میں انسان بننا بہت ہی مشکل بات ہے۔

مولانا حالی کا ایک شعر ہے

فرشتے سے بہتر ہے انسان ہونا

مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

مطلب۔ انسانی وجود کو حاصل کرنے کے لئے فرشتے یعنی دیوتا بھی ترستے ہیں۔ کیونکہ انسان کا درجہ فرشتہ سے بھی بڑھ کر ہے مگر اصلی معنی میں انسان بننے میں بڑی محنت لگتی ہے۔

دیکھنے میں تو دو لاتوں پر چلنے والے اور باتیں کرنے والے انسان بہت ہیں۔ مگر یہ دراصل انسان نما حیوان ہیں۔ ان کی شکل و صورت

توانوں کی سی ہے مگر ان میں انسانوں والے اوصاف نہیں ہیں
صورت تو ہے مگر سیرت جو کہ اصلی انسانیت کی نشانی ہے۔ وہ نہیں
ہے۔ سیرت کے بغیر صورت فضول ہے۔

اردو کا ایک شعر ہے

سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کبیا
سُرخ و سفید سٹی کی صورت ہوئی تو کبیا

مطلب۔ گن چاہیں نہ کہ شکل سیرت چاہیے نہ کہ سُرخ و سفید صورت
جس طرح آتما کے بغیر جسم بیکار ہے۔ جس طرح خوشبو کے بغیر پھول
بیکار ہے۔ ویسے ہی سیرت کے بغیر صورت شکل بیکار ہے۔ بہت ساری
خوبیاں ملکر سیرت کہلاتی ہیں۔ اور بے آزاری یا اہنسا انسانی سیرت
کا ایک بڑا قیمتی جزو ہے۔

شرمید بھگوت گیتا کے سوطھویں ادھیائے کے شروع میں دیوی
سمپتی یعنی فرشتہ سیرتی کے اوصاف کی گنتی کرتے ہوئے بھگوان فرماتے
ہیں کہ اہنسا دیوی سمپتی میں شامل ہے اور دیوی سمپتی گنتی دلانے والی ہوتی
ہے۔

آہنسا کے ارتھ سمجھنے میں عام طور پر غلطی ہو جاتی ہے۔ اپنے سے
زبردست کے زبردست کر انسان اگر بھیسگی پتی بن جائے اور اپنی بزدلی کو
چھپانے کے لئے کہہ دے کہ میں ظالم پر دیا کر رہا ہوں اور اہنسا کو
بہت رہا ہوں تو یہ غلط اہنسا ہے۔ اہنسا بزدلی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اہنسا

بھاور کھنے والا تو سچے معنوں میں بہادر ہوتا ہے۔ بھگوان ارجن سے کہتے ہیں کہ اے ارجن تیرے میں اہنسا بھاو ہے اور ساتھ ہی اس کو گھور دیدھ میں شامل ہونے کی پُر زور الفاظ میں ہدایت کرتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جنگ سے بھاگ جانے کا نام اہنسا نہیں ہے وہ تو بُزدلی ہے۔ ظالم سے ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہی سچا اہنسا ہے۔ چنانچہ بھگوان ارجن جی سے کہتے ہیں۔

क्लैव्यं मा स्म गमः पार्थ नैतत्स्वय्युपपद्यते
क्षुद्रं हृदयदौर्बल्यं त्यक्त्वोत्तिष्ठ परंतप ॥

کلیم۔ ما۔ سم۔ گما۔ پارٹھ۔ نہ۔ ایت۔ توئی۔ اپ۔ پیتے
کھیو درم۔ ہروے۔ دورلیم۔ تیکتوا۔ اُتشت۔ پرم۔ تب۔
ارٹھ۔ اے ارجن! نامردست بن۔ نامردی نہیں زیب نہیں
دیتی۔ دل کی کمزوری کو چھوڑ کر اٹھ اور جنگ کر۔

یہ اپدیش بھگوان کرشن چندر جی ارجن کو دیتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ اے ارجن! تم اہنسا بھاور کھنے والے ہو اہنسا کے ٹھیک ارتھ ہیں۔ کمزور اور مظلوم کی حفاظت اور زبردست ظالم سے مقابلہ اور اس مقابلہ میں دل میں دوشیں بھاو یعنی نفرت نہ آوے۔ دل میں کدورت بالکل نہ ہو۔ اپنا فرض سمجھ کر اپنا دھرم سمجھ کر ظالم سے غم ٹھونک کر مقابلہ کرنا اور مظلوم کی حفاظت

کرنا۔ یہ سچا ہنسنا بھلا ہے۔
اپنی دھجوتیوں یعنی جبال کا ذکر کرتے ہوئے بھگوت گیتا کے دسویں
ادھیائے میں بھگوان فرماتے ہیں۔

दण्डो दमयतामस्मि ✓

دندو۔ دے۔ تام۔ اسمی

ارتھ۔ دند دینے والوں میں دند دینے کی شکتی میں ہوں۔
ظالم کو ظلم کی سزا دینا تو بھگوان کی دھجوتی ہے۔ یہ ہنسنا نہیں ہے
اگر ظلم کرنے والے کو سزا دینا پاپ ہے تو سری کرشن چنڈر جی نے گنس
کو کیوں مارا۔ سری رام چنڈر جی نے راو کو کیوں مارا۔ ہرناکش جیے
پاپی کو مارنے کے لئے بھگوان نے نرسنگھ کا اوتار کیوں لیا۔ ان
چنڈ مثالوں سے صاف ظاہر ہے کہ پاپی کو سزا دینا بلکہ جان تک سے
مار دینا پاپ نہیں ہے۔ بلکہ پنیہ ہے۔ یہ ہنسنا نہیں ہے بلکہ یہ عین دھرم ہے
اسی واسطے تو بھگوان بھگوت گیتا کے چوتھے ادھیائے میں
فرماتے ہیں۔

परित्राणाय साधूनां विनाशाय च दुष्कृताम्

پدی۔ ترانڑاٹے سادھونا۔ وناشاٹے۔ چ۔ دوشکرتام
ارتھ۔ اے ارجن! نیک آدمیوں کی حفاظت کیلئے اور پاپیوں

کوناش کرنے کیلئے میں بار بار جہم لیتا ہوں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ پاپی کوناش کرنا ہنسنا نہیں ہو سکتا۔
بلکہ یہ ہنسنا کا سچا روپ ہے کیونکہ پاپی کے ناش کرنے سے ہی سادھو
لوگوں کی حفاظت ہو سکتی ہے۔

شیخ سعدی کا شعر ہے

نکوئی بابدال کردن چنان است

کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

یعنی بڑوں سے نیکی کرنا ایسا ہی گناہ ہے جس طرح کہ نیک آدمیوں
کے ساتھ بُرائی کرنا۔

البتہ کسی بے گناہ کو دکھ دینا۔ کسی بے قصور کو ستانا۔ اپنے
سے کمزور پر زیادتی کرنا یہ ہنسنا یعنی ظلم ہے اور بڑا پاپ ہے۔ اس
کا ترک کرنا ہی جسم کا تپ کہا گیا ہے۔

فارسی کے مشہور شاعر فردوسی کا شعر ہے

میازار مورے کہ دانہ کش است

کہ جاں دارد و جان شیریں خوش است

ترجمہ۔ چوینٹی ٹنک کو بھی تکلیف مت پہنچاؤ۔ کیونکہ وہ جان کھتی
ہے۔ اور جان سب کو پیاری ہے۔ بیچاری چوینٹی دانہ دانہ اٹھا کر
اپنا روزگار اکٹھا کرتی ہے۔ ایسی بے کس چیز کو ہرگز دکھ نہیں
پہنچانا چاہیئے۔

خواجہ حافظ کا بھی شعر ہے ۵

مباحش در پے آزار و ہرچہ خواہی کُن

کہ در طریقت مایہج ازیں گناہے نیست

ترجمہ۔ اے انسان! کسی کو آزار مت پہنچا۔ اور جو کچھ تمہاری مرضی میں آئے کر۔ میرے دین میں کسی کو آزار پہنچانے سے بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں ہے۔

کسی کو آزار پہنچانا ہی سب سے بڑا گناہ ہے۔ اسی واسطے تو بزرگوں نے اہنسا کو سب سے اونچا دھرم بتلایا ہے اور اہنسا پر مو دھرم مانا ہے یعنی اہنسا ہی پر م دھرم ہے۔

پانتھل مٹی جی ہمارا ج نے یوگیہ شاستر میں پانچ یم بتلائے ہیں۔ ان میں سے اہنسا سب سے پہلا یم ہے اور اہنسا بھاد پیدا کرنے کی پانتھلی جی پر زور الفاظ میں ہدایت فرماتے ہیں۔ یوگیہ شاستر کا سوتر ہے۔

अहिंसा प्रतिष्ठायां तत्संनिधौ वैर त्यागः

اہنسا۔ پر تشھایام۔ تت۔ سیندھو۔ ویر۔ تیاگا

ارکھتہ۔ اہنسا بھاد کے پختہ ہو جانے سے یوگی کے نزدیک سب کوئی ویر بھاد یعنی دوش کونیاگ کر دیتا ہے۔ جو بھی ایسے یوگی کے نزدیک آتا ہے۔ اس کے دل سے اہنسا بھاد غائب ہو جاتا

ہے۔

اہنسا ایک بڑی بھاری شکتی ہے۔ اس سے روحانی ترقی میں
 بڑی امداد ملتی ہے۔ چنانچہ بھگوان کرشن چنڈر جی نے اہنسا کو جسم کا تپ
 جتایا ہے۔ اس کا ابھیاس کرنے سے آدمی میں آتمک بل پیدا ہوتا
 جاتا ہے۔

ادم شم

اوم شری پرما تنے منہ

بابی (زبان) کے تپ

میٹھے اور متکروہین - سچائی

جسم کے تپوں کا ذکر پچھلے مضمونوں میں کر آئے ہیں۔ پڑھنے والوں کی سہولیت کے لئے اُن کو اختصار سے پھر دہرایا جاتا ہے۔ دیوتا - گرو - برہمن - ماتا پتا اور ودوان کی عزت کرنا - شُدھتائی یعنی صفائی رکھنا - طبیعت میں سیدھا پن کا ہونا - مکرو فریب نہ کرنا - برہمچریہ اور اہنسا یعنی بے آزاری یہ جسم کے تپ کہلاتے ہیں۔ ان پر عمل کرنے سے ان تپوں کی مہال یعنی عظمت کا پتہ خود بخود لگ جاتا ہے۔ لہذا اس کتاب کے پڑھنے والوں سے یہی پرار تھتا ہے کہ وہ ان پر آہستہ آہستہ عمل کرنا شروع کر دیں۔ اُن پر ان تپوں کے فوائد خود بخود ظاہر ہو جائیں گے۔ بظرف پڑھ چھوڑنے سے چنداں فائدہ نہیں ہوتا۔

جیسے سکول کا لڑکا اپنی سلیٹ پر ہزاروں لاکھوں روپے کی رقموں کے سود نکالنے سے امیر نہیں بن سکتا۔ ٹھیک اسی طرح زبانی باتوں

سے یا صرف پاٹھ ماتر سے آدمی دھرماتما یا تپسوی نہیں بن سکتا۔ البتہ پڑھے ہوئے پر عمل کرنے سے انسان ادبچا ہو سکتا ہے۔ عمل کے بغیر باقی سب باتیں فرضی ہیں۔ جو کہ خواب کی مانند ہیں۔ جیسے مصری کی ڈلی کو یاد کرنے سے انسان کا منہ میٹھا نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس کو مصری کی ڈلی میسر نہ آوے۔ اسی طرح عمل کے بغیر پاٹھ بے سود ہے۔ عمل کے بغیر پاٹھ محض ایک شغل کا درجہ رکھتا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں البتہ عمل کے ساتھ پاٹھ ترقی کا زینہ ہے جو بالضرور روحانیت کی چھت پر لے جاتا ہے۔

جسم کے تپ کا ذکر کر چکے کے بعد مٹری بھگوان جی بانی یعنی زبان کے تپ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔

अनुद्वेग करं वाक्यं सत्यं प्रियहितं च यत् ।
स्वाध्यायाभ्यासनं चैव ब्राह्मण्यं तप उच्यते ॥

انودویگ کرم۔ واکیم۔ ستیم۔ پریریتیم۔ چ۔ یت۔
سوا دھیائے۔ ابھینم۔ چپو۔ وانگ۔ یم۔ تپ اچیتے ۱۶/۱۵
ارکھ۔ کسی کو تکلیف نہ دینے والے واک بولنا۔ سچ بولنا۔ پیارے
پچن بولنا۔ ہتکارک یعنی دوسرے کی بھلائی والے الفاظ بولنا۔ دھرم
پستکوں کا پڑھنا۔ اور اوم کا ابھیا س کرنا۔ یہ بانی یعنی زبان کے
تپ میں۔

اب ان تپوں کو باری باری سے لیتے ہیں۔
انسان کو چاہیے کہ ایسے لفظ منہ سے بولے جو کسی کو بھی تکلیف دینے والے نہ ہوں۔

انسان اور حیوان میں یہ فرق ہے کہ انسان بول سکتا ہے اور حیوان نہیں بول سکتے۔ اس بولنے کی شگفتگی کی وجہ سے انسان کو حیوان نامطابق یعنی بولنے والا حیوان کہا گیا ہے۔

انسان اپنی زبان کی وجہ سے ہی حیوانوں پر فاضل ہے اور جس شخص نے اپنی زبان پر قابو پا لیا ہے وہ بلا کو شمش ہی دوسروں کے دلوں میں گھر کر لیتا ہے۔ جس کے منہ میں میٹھی زبان ہے۔ اس کے پاس سب کچھ ہے۔ اس کو دوستوں کی کمی نہیں۔ ہزاروں آدمی اس کی خدمت کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

فارسی زبان میں آیا ہے

زبان شیریں۔ ملک گیری

یعنی میٹھی زبان والے شخص کے پاس اس قدر طاقت ہے کہ وہ بغیر فوج کے ملک کو فتح کر سکتا ہے۔

پنجابی زبان میں بھی کہا جاتا ہے کہ یہی زبان تخت پر بٹھلاتی ہے اور یہی زبان ذلیل و خوار کرتی ہے۔ جس نے زبان کو اپنے دوش میں کر لیا ہے وہ اپنے پیٹھے دو چھوڑے لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتا ہے مگر جس کی زبان بے لگام ہے اور قابو سے باہر ہے۔ وہ کسی کو بھی پسند

نہیں آتا۔ اور ہمیشہ ذلیل و رسوا رہتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے منہ سے کڑوا لفظ کبھی بھی نہ بولے۔ ایسا لفظ نہ بولے جس سے کسی کو تکلیف ہو۔

شیخ سعدی صاحب کا شعر ہے ۷
کنونت کہ امکان گفتار بہت گولے برادر بہ لطف و خوشی
کہ فردا چوپیک اجل درسد بحکم ضرورت زبان درشتی
مطلب۔ اے انسان! اس وقت تم میں بولنے کی طاقت ہے
لہذا ضروری ہے کہ تم نرم اور دل کو خوش کرنے والی باتیں کہو۔ کل جب
موت کا فرشتہ تمہارے سر پر آن پہنچے گا۔ تو تم بولنے سے عاجز
ہو جاؤ گے اور خواہ مخواہ تمہیں خاموش ہو جانا پڑے گا۔ اس واسطے
جب تک تمہارے منہ میں زبان چلتی ہے۔ تم پر فرض ہے کہ میٹھی میٹھی
باتوں سے اپنے ہم جنسوں کا دل لبھاؤ۔

تلوار کا زخم بھر جاتا ہے۔ مگر زبان سے لگایا ہوا زخم نہیں بھرتا۔
زبان سے لگایا ہوا زخم نیزے کی نوک کی طرح دل میں ہمیشہ چھتا
رہتا ہے اور انسان کو بہت ہی دکھ دیتا ہے۔ اس لئے انسان پر فرض
ہے کہ اپنی زبان سے کسی کے دل کو دکھا کر اُس میں نشتر نہ چھوئے
بلکہ میٹھے میٹھے لفظوں سے دکھے ہوئے اور زخمی دلوں پر مرہم رکھے۔
اس سے بڑھ کر اور کیا خدمت ہو سکتی ہے۔

مولانا رومی صاحب کا شعر ہے ۷

دل بدست آور کہ حج اکبر است

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

مطلب۔ اے انسان۔ دوسرے کے دل کو جیتنے کی کوشش کر
کیونکہ اس سے بڑھ کر اور کوئی ثواب نہیں ہے کسی کے دل کو جیت
لینا کسی کے دکھ ہوئے دل کو ٹھنڈک پہنچانا یہ سب سے بڑی حج
ہے۔

کیونکہ انسان کے دل میں تو بھگوان آپ براجمان ہیں۔ جو
شخص دوسرے کے دل کو شکم کرتا ہے وہ گویا اس کے دل میں بیٹھ
ہوئے بھگوان کی سیوا کرتا ہے اور جو دوسرے کے دل کو دکھاتا ہے
وہ بھگوان کو کشت پہنچاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر پاپی کون ہو سکتا
ہے۔ چنانچہ مولانا صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ہزاروں کعبوں کی زیارتوں
کے بالمقابل ایک دل کو جیت لینا افضل ہے۔ بہتر ہے۔

ادومشم

ادم بشری پر مانتے منہ

میٹھا بول

زبان یعنی بانی کے تپ کا ذکر کرتے ہوئے پچھلے مضمون میں بتا چکے ہیں کہ انسان کو چاہیے کہ اپنے منہ سے کوئی ایسا لفظ نہ بولے جس سے کسی کا دل دکھے اور اسے تکلیف ہو۔ پڑھنے میں تو یہ بات بالکل آسان اور معمولی دکھائی دیتی ہے مگر اس پر عمل کرنے سے پتہ چل سکتا ہے کہ عمل میں یہ تپ کتنا کھٹن ہے۔ منہ سے ایسا واک بولنا جو کسی کو بھی گھٹ دینے والا نہ ہو۔ یہ کس قدر ضبط کی بات ہے۔ جس شخص میں یہ طاقت ہے۔ وہ واقعی دیوتا ہے۔ وہ ریشی ہے۔

ہر شخص اپنے جیون سے خود اندازہ لگا سکتا ہے کہ وہ اپنی زبان سے دن میں کتنے آدمیوں کا دل دکھاتا ہے۔ اپنے سے مخالف کو تو ہم ایسے کڑوے اور سخت لفظ کہہ دیتے ہیں۔ گویا اس کا دل و جگر جھید کے رکھ دیتے ہیں۔ کہاں یہ بات اور کہاں بھگوت گیتا کا آپدیش کہ زبان سے کسی کا بھی دل نہ دکھایا جاوے۔ دشمنوں اور مخالفین کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ عام منہ دوستانی لوگ بات بات میں فحش کلامی اور

بد زبانی کے اس قدر عادی ہوتے ہیں کہ دوستوں اور رشتہ داروں پر بھی نہیں چڑکتے۔ ذرا تھوڑا بہت اختلاف ہوا تو یہ بگڑ جاتے ہیں۔ اور غصہ میں آکر منہ سے خوب واہی تباہی بک دیتے ہیں۔ جو کچھ نوک زبان پر آتا ہے۔ اگل کے رکھ دیتے ہیں۔ یہاں تک حالت بگڑی ہوئی ہے کہ بیٹا باپ سے سخت کلامی کرتے ہوئے نہیں جھجکتا اور بھائی تو بھائی کو صلواتیں سنانے کی گویا قسم کھائے بیٹھے ہیں۔ یہ اس قدر افسوسناک اور رنجیدہ حالت ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا گراؤ ہو سکتی ہے۔

شیخ سعدی صاحب کا فرمان ہے

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا

دلِ دشمنانِ ہم نہ کردند تنگ

ترّا کہ میسر شود این مقام

کہ بادِ دوستانِ خلاف است و جنگ

ترجمہ۔ اے انسان! پر ماتما کے راہ پر چلنے والوں کا تو یہ دستور تھا کہ وہ دشمنوں کے دل کو بھی نہیں دکھاتے تھے۔ تمہیں ان کا درجہ کب نصیب ہو سکتا ہے تمہاری تو دوستوں سے بھی جنگِ مخالفت ہے۔ دشمنوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

ہم تو دوستوں کے ساتھ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ ہر وقت میٹھی زبان نہیں رکھ سکتے۔ اور بھگوت گیتا کا آپدیش ہے کہ اپنی زبان

سے کسی کا بھی دل نہیں دکھانا چاہیے بلکہ ایسے میٹھے میٹھے بچن بولنے چاہئیں جس سے مڑھ جائے ہوئے دل پھر سے کھل جائیں۔ زخم کھائے ہوئے دل پھر سے پھر جائیں۔ کہاں بھگوت گیتا کا اپدیش اور کہاں ہمارا روزانہ طرز عمل۔ اسی واسطے تو مضمون کے شروع میں کہا گیا ہے کہ پڑھنے کو تو یہ باتیں بالکل آسان ہیں۔ مگر کرنے میں بہت مشکل ہیں۔ اس کے لئے بڑے ابھیاس کی ضرورت ہے۔ نرم اور کوئل بچن بولنے کے لئے زبان پر ہر وقت پہرہ داری کرنے کی ضرورت ہے اور آخر میں یہ پہرہ داری بہت ہی مفید رہتی ہے۔

گندی زبان کی نسبت بہتر ہے کہ انسان بے زبان ہو۔ بد زبان سے گونگا ہونا بہتر ہے۔ گونگے کو یہ وقت ہے کہ وہ اپنا حال دل دوسرے پر بیان نہیں کر سکتا مگر بد زبان تو اس سے بہت ہی بُرا ہے۔ کیونکہ وہ جہاں بیٹھا ہے اپنی زبان کی گندگی سے دیگر اور عفو نہ پھیلاتا ہے۔

فارسی کی مشہور کتاب گلستاں میں ایک شعر آیا ہے
 بہ نطق آدمی بہتر است از دواب
 دواب از تو بہرگز نہ گوئی صواب

تہ ترجمہ۔ زبان کی بدولت ہی انسان حیوانوں پر فضیلت رکھتا ہے مگر بد گفتار۔ بد زبان۔ گندی زبان والے سے تو گونگا حیوان ہی بہتر ہے۔ کیونکہ وہ اپنی زبان سے کسی کا دل نہیں دکھاتا۔

عام تجربہ کی بات ہے کہ پھولوں کے ڈھیر سے خوشبو نکلتی ہے۔
جودل کو لہجانے والی ہوتی ہے اور دماغ کو معطر کر دیتی ہے۔ مگر گندگی
کے انبار سے بدلہ نکلتی ہے۔ جو طبیعت کو بدسبزہ کر دیتی ہے اور دماغ
کے پردوں کو بھاڑ دینے والی ہوتی ہے۔ خوشبو سے فوراً قیاس ہو
جاتا ہے کہ نزدیک میں کہیں باغ ہے۔ جس میں پھول رکھلے ہوئے
ہیں۔ جن سے خوشبو کی لپٹیں آرہی ہیں۔ اور بدلہ سے گندگی کے انبار
کا قیاس ہوتا ہے۔

جس شخص کے منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ اور خوشبودار میٹھے
میٹھے لفظ نکلتے ہیں۔ تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس شخص کے دل و دماغ میں
ایک باغ ہے۔ جس کے پھولوں کی مہک اُس کے منہ سے نکل رہی
ہے۔ برعکس اس کے جس شخص کے منہ سے گندے۔ سڑے ہوئے
اور بُرے الفاظ نکلتے ہیں۔ تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس شخص کے
اندگوں پر اور گندگی کا ڈھیر ہے۔ جس کی بدلہ اُس کے منہ کے راستہ
سے باہر نکل رہی ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو شخص نرم نرم اور میٹھی میٹھی باتیں
کرتا ہے وہ جہاں دوسروں پر احسان کرتا ہے وہاں اپنے اوپر بھی
بہت بُرا احسان کر رہا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے سینہ میں نیک خیالات۔
خوش سیرتی کا باغیچہ لگا رہا ہے۔ اس کی خوشبو جہاں دوسروں کے دل
و دماغ کو معطر بنا دے گی۔ وہاں اس شخص کو ہمیشہ خوش و خرم بنائے

رکھے گی۔ برعکس اس کے جو شخص کرٹوے۔ دل آزار الفاظ ہی منہ سے بولنے کا عادی ہے وہ گویا اپنے دل و دماغ میں عفویت بھر رہا ہے جس کی بدولت اسے کبھی بھی چین سے نہیں بیٹھنے دے گی۔ لہذا دیکھنے میں بھی آتا ہے کہ میٹھے بچن بولنے والے کا چہرہ ہمیشہ شگفتہ رہتا ہے وہ ہمیشہ ٹھنڈا اور باتمکین ہوتا ہے۔ برعکس اس کے سخت کلامی کرنے والا شخص ہر وقت چین بہ چین رہتا ہے۔ اس کے ماتھے پر تین بل رہتے ہیں۔ وہ مشکلی سانپ کی طرح ہر وقت پھسکارتا ہی رہتا ہے نہ خود آرام پاتا ہے اور نہ دوسروں کو آرام دیتا ہے۔

مٹانی زبان میں بھی کہاوت ہے کہ اونٹ کے منہ سے جال کی بو آتی ہے۔ اونٹ جال کھاتا ہے جو سخت بدبو دار ہوتی ہے چنانچہ جہاں کہیں بھی اونٹ بیٹھتا ہے۔ اس کے منہ سے سخت بدبو آتی رہتی ہے۔

جو کچھ جس کے اندر ہوتا ہے وہی باہر نکلتا ہے۔ کینے ناپاک خیالات والے انسان کے منہ سے بھی کینے ناپاک الفاظ نکلتے ہیں۔ اور نیک و پاک خیالات والے انسان کے منہ سے شدہ سحر سے میٹھے بچن نکلتے ہیں۔ جو اس کے لئے سکھ دینے والے ہوتے ہیں اور دوسروں کے لئے بھی فرحت کا سامان بنتے ہیں۔ لہذا انسان کو چاہیئے کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھے اس پر ہر وقت پرو لگائے رکھے

اس سے ایسے بچن کبھی نہ بولے۔ جس سے کسی کا دل دکھ جائے۔

بہ زبان پنجابی ۵

بھڑی بولی بول دے پکھتی آ۔ مٹھری بولی بول
یعنی اے انسان! تیرا اس دنیا میں پرندے کی مانند کئی دن کے
لئے بسیرا ہے یہاں آ کر تو میٹھی بولی بول۔ کر ڈوے بچن مت بول۔

اوم شرم

اوم شری پرما تمنے منہ

میٹھے الفاظ پتھر کو بھی موم کر دیتے ہیں

بانی یعنی زبان کے تپ کا ذکر کرتے ہوئے پچھلے مضمون میں بتا چکے ہیں کہ زبان سے کسی کا بھی دل نہ دکھانا یہ زبان کا تپ کہلاتا ہے
 شیخ سعدی صاحب کا ایک شعر ہے
 تا توانی درون کس مخربش
 کا ندیں راہ خاں با باشد

ترجمہ۔ اے انسان! جہاں تک ہو سکے کسی کا دل رت دکھا کیونکہ اس راستے میں کانٹے ہوتے ہیں۔ یعنی جو شخص دوسرے کا دل دکھاتا ہے وہ اپنے لئے کانٹے بوتا ہے۔ اُس کا دل بھی ضرور دکھایا جائے گا۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ یہ قدرت کا اٹل قانون ہے۔ جو جیسا بوسے گا۔ ویسا ہی کالے گا۔ اس میں ذرا بھر بھی شک کی گنجائش نہیں ہے۔

گندم از گندم بہودید بجز جو

یعنی گندم سے ہمیشہ گندم پیدا ہوتا ہے اور جو سے جو پیدا ہوتا ہے۔ اس قانون میں مٹھل ہونے کی کسی کو بھی طاقت نہیں ہے۔
 لہذا جو شخص اپنی زبان سے کسی کا دل دکھائے گا۔ ضروری ہے کہ اُس کا اپنا دل بھی دکھ پائے گا۔ سخت کلامی کرنے والے سے بھی سخت کلامی کرنے والے نکل ہی آیا کرتے ہیں۔
 جیسا کہ اردو کے ایک شاعر نے کہا ہے —
 یہ سودا دست بدستی ہے۔ اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

یہ تو دایم ہاتھ سے دے کر بائیں ہاتھ سے واپس لینے والی بات ہے۔ لہذا انسان کو چاہیے کہ اپنی زبان سے کبھی بھی کڑھکی کا بیج نہ بوسے۔ ورنہ اُس کو بوسے ہوئے بیج کے مطابق ضرور پھل اُٹھانا پڑے گا۔ جو کانٹے بوسے گا وہ ضرور خود بھی کانٹوں میں گھسیٹا جاسیگا اس بات سے چاہیے کہ انسان سبق لے اور اپنا مستقبل سنوئے میں دیر نہ کرے۔ میٹھے اور نرم الفاظ پر کوئی قیمت نہیں لگتی۔ صرف زبان پر قابو چاہیے۔ آدمی دل میں پختہ ارادہ کر لے کہ میں نے کڑوا لفظ منہ سے نہیں بولنا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ چند دن اُس کو ضرور دقت ہوگی۔ کیونکہ عرصے سے پڑی ہوئی عادتیں ایک دن میں بیکار نہیں بدلی جاسکتیں۔ تاہم کوشش کرنے سے پرانی عادتیں بھی آہستہ آہستہ بدلی جاسکتی ہیں۔ جب زبان پر قابو پڑ جائے تو انسان اپنی زبان کی شیرینی کی طاقت کو خود بخود محسوس کرنے لگ جائے گا۔ لوگ خود

خود اس کی طرف کھمچے چلے آئیں گے۔ حتیٰ کہ دشمن بھی دوست بن جائیں گے۔

فارسی کا ایک شعر ہے۔

بہ شیریں کلامی و لطف و خوشی

تو انی کہ پیلے بہ سوئے کشی

ترجمہ۔ نرم اور میٹھے الفاظ سے انسان میں یہ طاقت آجاتی ہے کہ وہ ہاتھی کو بھی ایک بال سے اپنی طرف کھینچ سکتا ہے۔

ہاتھی بہت ہی صندی اور بے حس جانور ہوتا ہے۔ ڈنڈوں سے یہ نہیں ہانکا جاسکتا۔ اُس کے ہانکنے کے لئے لوہے کی نوکدار سلاخ استعمال کی جاتی ہے۔ جس کو ہندی زبان میں آنکس کہتے ہیں۔ جو ہنی ہاتھی مہادت کی طرف سے بے توجہ ہوتا ہے مہادت لوہے کے آنکس سے اُسے ہوشیار کر دیتا ہے اور اپنا فرمان منوالیتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میٹھے اور نرم الفاظ بولنے والے شخص میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ ہاتھی جیسے صندی اور بے حس جانور کو بھی کچے تاگے سے کھینچ سکتا ہو نرم لفظوں سے ہاتھی تک کو مطیع کر لیتا ہے۔

دوسرے کا غصہ فرو کرنے کے لئے نرم اور میٹھے الفاظ سے بڑھ کر اور کوئی زبردست ہتھیار نہیں ہے۔ غصے میں آئے ہوئے آدمی کے ساتھ غصے میں بات کرنا گویا اس کی آگ پر تیل چھڑکنا ہے۔ جو اس کو اور بھی بھڑکا دیتا ہے مگر نرم اور میٹھے لفظ غصہ کی آگ پر ٹھنڈے پانی کا کام

کرتے ہیں۔ اور فوراً اُسے سمجھا دیتے ہیں۔

شیخ سعدی صاحب کا فرمان ہے
لطاقت کُن آنجا کہ بینی ستیز
بزد قز نزم را تیغ تیز

ترجمہ۔ جس جگہ تو جھگڑاؤں دیکھے۔ وہاں نرمل اختیار کر۔ کیونکہ جس طرح نرمل و شیم کو کانٹے میں تیز سے تیز تلوار بیکار ہے۔ ویسے ہی ریشم کی طرح نرمل اور میٹھے بچوں کے سامنے غصہ اور جھگڑا بے کار ہو جاتے ہیں۔ اور فوراً ٹٹ جاتے ہیں۔

اس لئے تو جھگڑاؤں فرماتے ہیں کہ زبان سے ہمیشہ میٹھے اور کوئل شہد بولنے چاہیئیں جو کسی کا بھی دل دکھانے والے نہ ہوں۔
زبان کے پتوں میں دوسرا پتہ سستیہ یعنی سچائی ہے۔ جھگڑاؤں کی ہدایت ہے کہ زبان سے ہمیشہ سستیہ بولنے کا ابھیاں کیا جائے۔ اس سے زبان پوڑتی یعنی پاک ہو جاتی ہے۔

سولھویں ادھیائے کے شروع میں سستیہ کو دیوی سمپتی یعنی فرشتہ سیرتی میں شمار کیا گیا ہے۔ ہمیشہ سستیہ بولنے والا انسان دیوتا ہی ہے۔ بلکہ دیوتا سے بھی کچھ بڑھ چڑھ کر ہے۔ ایسا شخص کمبتی کے راستے پر قدم اٹھا رہا ہے۔

پانتھل لوگ میں لوگ ابھیاں کے سلسلے میں پانچ یم بتلائے گئے ہیں۔ ان میں سستیہ یعنی سچائی دوسرا یم ہے۔ پانتھل منی جی کا فرمان

ہے کہ سنتہ کو کبھی بھی قربان نہیں کرنا چاہیے کسی وقت یا کسی مفاد کی
 خاطر غرض کبھی بھی سچ کو ماتہ سے دے کر جھوٹ نہیں بولنا چاہیئے۔ یہ
 یہاں برت ہے۔ اس سے بڑھ کر اور برت کوئی نہیں ہے۔

ادم ششم

ادم شری پر ماتے نہ

سچائی

پھلے مضمون میں بتا چکے ہیں کہ سچائی زبان کا تپ ہے۔ پاتجل
منی کا فرمان ہے کہ کسی حالت میں بھی سچ کو نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ سچ
ہمیشہ سچ ہے اور جھوٹ جھوٹ ہے۔
چنانچہ پاتجل یوگ شاستر کا سوتر ہے

जाति देश काल समयानवाच्छन्नाः सार्वभौमा महाव्रतम्

جاتی۔ دیش۔ کال۔ سہ۔ ان اوجھنا۔ سارو۔ بھوما۔ مہا ورتم
ارکھتہ۔ جاتی یعنی قوم کے خیال سے۔ دیش یعنی ملک کے خیال کے
زیاتر ہو کر بھی سچ کو نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ ہر جگہ۔ ہر وقت۔ ہر انسان کے
ساتھ سچ کا رتناؤ کرنا چاہیئے۔ پاتجل جی فرماتے ہیں۔ ایسا بڑا بہت
ہی بڑا بڑا ہے اس کو کہاں دُرَت کہتے ہیں۔

جب انسان میں سچ کا ورت پختہ ہو جاتا ہے جب صداقت انسان
کی فطرت یعنی نر کرکتی بن جاتی ہے جب جھوٹ بولنا اس کے لئے ناممکن ہو جاتا

ہے۔ اُس وقت اس کی زبان میں ایسی شکتی آ جاتی ہے کہ جو کچھ بھی وہ منہ سے کہتا ہے ویسے ہی ہو جاتا ہے قدرت اُس شخص کے گویا تابع ہو جاتی ہے اور اُس کے منہ سے نکلے ہوئے پہنچوں کو پورا کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔

چنانچہ لوگ شاستر کا ہی ایک اور سوتہ ہے۔

॥ सत्यप्रतिष्ठायां क्रियाफलाश्रयत्वम् ॥

ستیتہ۔ پرستھا یا م۔ کر یا پھل۔ آشرے۔ تو م
ارکھ۔ جس آدمی میں ستیتہ یعنی سچائی درڑھ یعنی پختہ ہو جائے
اُس کی زبان سے نکلا ہوا قول ضرور پھل لاتا ہے یعنی ویسے ہی ہو جاتا
ہے جیسے وہ کہتا ہے۔

ایک وہ وقت تھا کہ ہندو قوم سچ پر سب کچھ قربان کرنے کو تیار
تھی۔ سچ سے بڑھ کر اور کچھ اس قوم کی آنکھوں میں چمٹا ہی نہ تھا۔ سچ
کے بالمقابل راج پاٹ بھی بالکل بچتہ یعنی حقیر دکھائی دیتا تھا۔ راجہ ریشی
ستیتہ وادی کا نام آج تک ہندوؤں میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا
جاتا ہے۔ راجہ ہریشچندر نے راج پاٹ۔ دھن۔ دولت غرضیکہ ہوی
بچوں تک کو قربان کر دیا مگر اپنے بچن کو نہیں ہارا۔ سچائی کو کاٹھ سے
نہیں دیا۔ یہ تھا ہمارے بزرگوں کا انداز۔ مگر آج کل کیا ہے۔ اہل ہند
میں عام طور پر جھوٹ اس قدر رائج ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ جھوٹ بولنا تو گویا

اُن کے لئے میٹھے دودھ کا گھونٹ بھرنا ہو گیا ہے دوکاندار ہیں تو جھوٹ کی جنس کا بیوپار کرتے ہیں۔ ساہوکار ہیں۔ تو لین دین میں عام طور پر جھوٹ ہی برتتے ہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ ہندوستانیوں میں سچائی بالکل غائب ہو گئی ہے۔ گو سچائی کے بیج کا بھی ناش نہیں ہوا۔ مگر بالقابل گذشتہ زمانے کے آج سچائی تھوڑی ہے اور روز بروز کم ہو رہی ہے مُنڈک آپ نشد کا فرمان ہے۔

सत्यमेव जयते नानृतं ॥

(سیتم۔ ایو۔ جیتی۔ نہ۔ ان۔ رتم)

مگر چھم۔ سچائی کی دیے یعنی فتح ہوتی ہے۔ جھوٹ کی کبھی نہیں۔ آخر میں سچ کی جیت اور جھوٹ کی مار ہوتی ہے۔ یہ آپ نشد کا فرمان ہے اور شاستر کا واک پرمان یعنی سند ہے۔ یہ کبھی بھی غلط نہیں ہو سکتا۔

گوردنانک دیوجی کا واک ہے

सच प्राना न भिन्नो न सित्ता प्याते

اگرچہ۔ سچ کبھی پرانا نہیں ہو سکتا۔ سچ ہمیشہ ایک رس رہتا ہے ہمیشہ نیا ہے۔ وقت اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ سیتا ہوا کپڑا کچھ وقت کے بعد پھٹ جاتا ہے۔ مگر سچ سچ ہے۔ نہ یہ کبھی پرانا ہوتا ہے اور نہ کبھی پھٹتا ہے۔

ایسی حالت میں جھوٹ کو برتنے والے آدمی اپنے دل میں خود دھیان کریں کہ جھوٹ بُرتے ہوئے وہ اپنے آپ کو گڑھے میں ہی دھکیل رہے ہیں۔ مگر اپنی کم عقلی کی وجہ سے۔ کوتاہ اندیشی کے سبب وہ اپنی گراوٹ کو محسوس نہیں کرتے۔

یہ عام طور پر سنا جاتا ہے۔ کہ منہر و قوم آجل گر رہی ہے مگر اس کا سبب خود منہر وہی ہیں۔ جب انہوں نے صداقت کو خیر باد کہہ دیا۔ جب اپنے کاروبار میں جھوٹ پر اتر آئے تو پھر برکت کہاں سے آئے۔ جھوٹے پھولوں کی طرح جھوٹ کئی روز تو خوب پھلتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ مگر ایک تو ان پھولوں میں صرف رنگت ہوتی ہے۔ خوشبو نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ چند روزہ ہوتے ہیں۔ دیر پا نہیں ہوتے۔ عقورے دنوں کے بعد مر جھا جاتے ہیں۔ ایک اُردو کا شعر ہے

سچائی چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے پھولوں سے

کہ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

یعنی جیسے رنگ دار کاغذ کے پھول دیکھنے کو تو بہت ہی خوشنما ہوتے ہیں۔ مگر ان میں خوشبو نام کو نہیں ہوتی۔ اسی طرح جھوٹ کا حال ہے آخر میں جھوٹ کی بار لا زمی ہے۔ سچ کی ہی حیت ہوتی ہے۔ جو آدمی ثبات کے اس مقولہ پر شک کرتا ہے، وہ خود آزمادیکھ سکتا ہے۔

سچ کی یہ شکتی دیکھ کر جھگوں شری کرشن جی نے سچ بولنا زبان کا ثبوت کہا ہے۔ سچ بولنے والا شخص عیب گری نہیں سکتا۔ عیب کرنے والے

کے لئے ضروری ہے کہ وہ جھوٹ بول کر اس کو چھپائے گا مگر جو شخص جھوٹ
 نہیں بولنا چاہتا۔ جس نے راست راست۔ بلا کم و کاست کہہ دینے کا برت
 رکھا ہوا ہے۔ وہ شخص سر توڑ کوشش کرے گا۔ کہ اُس سے ایسی بات کوئی
 نہ سرزد ہو جائے۔ جسے چھپانے کے لئے اُسے جھوٹ بولنا پڑے۔
 ہذا مضمون کے پڑھنے والوں سے بھی یہی پرارتھنا ہے کہ وہ
 سچ بولنے کا ابھیاں شروع کر دیں۔ وہ خود بخود دیکھ لیں گے کہ ایک سچ
 بولنے کے ابھیاں سے اُن کی کتنی بُرائیاں۔ کتنے پاپ خود بخود چھوٹ
 جاتے ہیں۔

اوم شم

اوم مٹری پرماننے منہ

من سا چا مکھ سا چا سونے

زبان کے پتوں کے سلسلے میں مکھ چکے ہیں کہ سچ بولنا زبان کا
بڑا بھاری تپ ہے اور اس سے انسان کا اندر بہت ہی جلدی دھل
جاتا ہے جیسے پانی سے آدمی کا جسم دھلتا ہے ویسے ہی سچ بولنے
سے انسان کا من شدہ ہو جاتا ہے۔ من کی دھلائی کے لئے سچائی کو
بڑھ کر اور کوئی صابن ہی نہیں ہے۔

مگر زبان تب جا کر ہمیشہ سچ بول سکتی ہے۔ جب آدمی کا من
بھی سچائی سے بھرا ہوا ہو۔ اگر من میں سچ نہیں۔ تو زبان کبھی بھی سچ نہیں
بول سکتی بلکہ ایسی صورت میں اسے سچ بولتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔

شکھ منی صا حب کا واک ہے سے
”من سا چا مکھ سا چا سونے“

یعنی اس شخص کی زبان سچ بول سکتی ہے جس کا دل سچائی سے بھر لیا
ہے۔
ہماری بڑھی سمجھے۔ آجکل تو جھوٹ اس قدر زور پکڑ گیا ہے کہ تو یہ

ی بھلی۔ آجکل تو سچ کو گویا سر چھپانے کی بھی جگہ ملنی مشکل ہو گئی ہے۔ سبائی
میں آجکل وہ معتبر ہے یا معتبر بن سکتا ہے جو سچ نہ جھوٹ بولنے میں ماہر ہو
یعنی بولے جھوٹ مگر اپنی دماغی طراری اور چستی سے جھوٹ کو سچ بنا کر دکھاوے
گندم نہ جو فروش آدمی آجکل کی سوسائٹی میں خوب پھلتے پھوٹتے ہیں۔ جو
شخص دکھاتے گندم ہیں۔ اور بیچتے ہیں جو۔ ان کی تو آجکل چاندی ہی
ہے۔

شیخ سعدی کا ایک شعر ہے —
آنکہ چوں پستہ دیدش ہمہ مغز

پوست ہر پوست بود همچو پیاز

مطلب۔ جن لوگوں کو یہیں پستہ کی طرح خالص مغز سمجھنا تھا حقیقت
کے کھل جانے پر پتہ لگا کہ وہ پیاز کی طرح ایک پھلکے کے اندر دوسرا پھلکا
ہی ہیں۔ ان میں تو مغز نام کو بھی نہیں ہے۔ فقط پھلکے ہی پھلکے ہیں۔
پہلے زمانے میں لوگ عموماً سچ بولنا اپنا دھرم سمجھتے تھے اور جھوٹ
آدمی کو یہاں تک بُری نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ کہ اُسے برادری سے
خارج کر دیا جاتا تھا۔ پڑھے لکھے آدمی تو خاص کر سچ کے شیدائے
سوسائٹی بھی ان سے سچ کی توقع کرتی تھی۔ اور اگر کہیں کسی تعلیم یافتہ
آدمی نے جھوٹ کہہ دیا تو لوگ اس پر خوب لعن طعن کرتے تھے اور
کہتے تھے کہ دیکھو یہ تو پڑھا لکھا آدمی ہے اگر اس کا یہ حال ہے تو دوسرے
لوگوں کا کیا کہنا۔

مگر آجکل کی مادہ پرست ففسا میں جہاں لوگ دھن کے دیوتا کی ہی پوجا اپنا پریم دھرم سمجھتے ہیں۔ چاہے وہ دھن کسی طرح سے حاصل ہو۔ ایسے دایو مسٹرڈل میں سچائی بہت کم دکھائی دیتی ہے۔

آدمی کو زبان پر ماتمانے اس واسطے عطا کی ہے کہ وہ اپنے دل کے چاروں اور خیالوں کو راست راست بلا کم و کاست ظاہر کر سکے مگر آجکل کے انگریزی پڑھے لوگوں کے منہ سے اکثر سننے میں آیا ہے کہ

The tongue was given to man
not to express his inner thoughts,
but to conceal them.

مطلب۔ انسان کو زبان اس واسطے نہیں ملی کہ وہ اپنے اندرونی خیالات و جذبات یعنی چاروں اور بھاؤں کو دوسرے پر ظاہر کرے بلکہ اس واسطے ملی ہے کہ وہ اپنے اصلی خیالات کو لفظوں کے پردوں میں چھپا سکے۔

پر ماتما کی دی ہوئی نعمت کا یہ کس قدر بُرا استعمال ہے۔ مگر موجودہ زمانے کے لوگ اسی پر ہی نازاں ہیں۔ یہ ہماری انتہائی درجہ کی بدنصیبی ہے۔ گو کوتاہ اندیشی سے ہم اس بدنصیبی کو خوش نصیبی سمجھ رہے ہیں۔
”بریں عقل و دانش بیابید گر سیت“

یعنی ایسی اُلٹی عقل پر تو رہنا آتا ہے۔
پچھلے مضمون میں یہ بھی بتا چکے ہیں۔ کہ سچ کی اخیر میں ضرور فح ہوتی ہے

सत्यमेव जयते नानृतं

(ستیم - ایو - جیتی - نا - انرتم)

سچائی کی دے یعنی فتح ہوگی - جھوٹ کی کبھی نہیں۔

یہ شاستر کا فرمان ہے۔ یہی قانون قدرت ہے۔ یہی انشوری آگیا یعنی حکم ہے۔ اور یہ حکم اٹل ہے۔ مگر انوس ہے تو اس بات کا کہ ہم بہت جلدی میں ہی فتح پانے کی خواہش سے جھوٹ کا بیج بو دیتے ہیں۔ اور بیج پر مہسی اڑاتے ہیں۔

یہ عیاں ہے کہ جو پودا جلدی اگتا ہے اس کی عمر بھی تھوڑی ہوتی ہے وہ جلد پک کر موکھ جاتا ہے مثلاً گھاس وغیرہ چند دنوں میں اگ آتے ہیں مگر ان کی عمر بھی چند دن ہی ہوتی ہے۔ کھمبی وغیرہ تو رات کی رات میں زمین سے نکل آتی ہیں۔ مگر ان کی زندگی کی لمبائی بھی اتنی ہی ہوتی ہے۔

اس کے برخلاف جو پودا آہستہ آہستہ اور دیر سے اگتا ہے وہ دیر پا ہوتا ہے۔ اس کا تنا بہت مضبوط ہوتا ہے اور اس کی عمر بھی کئی سال ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر شیشم کے درخت کو لے لیجیے شیشم کا بیج بہت کافی دیر کے بعد زمین سے سر نکالتا ہے اور اس کا پودا اس قدر آہستہ آہستہ اگتا ہے کہ اس کا بڑھنا محسوس تک نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ گویا یہ بالکل نہیں بڑھ رہا۔ مگر شیشم کے درخت کا تنا کتنا مضبوط ہوتا ہے اور اس کی عمر کتنی لمبی ہوتی ہے

یہ عام مشاہدے کی بات ہے۔

یہی حال جھوٹ اور سچ کا ہے۔ کھمبہ کی طرح جھوٹ بڑی تیزی سے بڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور سیدھے سادے لوگ دھوکے میں پڑ جاتے ہیں کہ دیکھو جی جھوٹ کس طرح ترقی پا رہا ہے مگر یاد رہے کھمبہ کی طرح جھوٹ کی جڑ نہیں ہوتی۔ جس رفتار سے یہ ترقی پاتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس سے بھی تیز رفتار سے یہ زوال پذیر ہوتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ اس دھوکے سے اپنے آپ کو بچائے۔

سچائی کا بیج اگنے میں ضرور دیر لگتا ہے۔ مگر بویا ہوا سچائی کا بیج کبھی بھی نشٹ نہیں ہو سکتا۔ یہ ضرور اُگتا ہے اور بیٹھا پھل لاتا ہے مگر اس میں کچھ وقت کی ضرورت ہے اس میں جو مسئلہ درکار ہے۔
شرمید بھگوت گیتا کا فرمان ہے

नेहाभिक्रम नाशोऽस्ति प्रत्यवायो न विद्यते।

نے نا بھی کرم۔ نا شو استی۔ پرتیبہ دایونہ ودیتے ॥ ۵ ॥
اگر تھ۔ اس دھرم کا کبھی بھی نا ش نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی کبھی اس کا الٹا پھل مل سکتا ہے۔

لہذا انسان پر فرض ہے کہ وہ سچ کے تپ کا ابھياس کرتا ہوا حوصلے کے ساتھ۔ دھیرج سے انتظار کرے۔ چند سالوں میں ستیہ رپنی درخت کے، میٹھے سے میٹھے پھل خود بخود اس کو مل جائیں گے۔ اوم شرم

اوم شری پرما تے نہ

ہستکرن

(یعنی دوسروں کی بھلائی چاہنے والا کہن)

پچھلے تین چار مضمونوں میں زبان یعنی بانی کے پتوں پر اپنے و چار پہلک کی سیوا میں پیش کر چکا ہوں۔ پڑھنے والوں کی سہولیت کے لئے شرمید بھگوت گیتا کے اُس شلوک کو جس کی ویاکھیا یعنی وضاحت کی جا رہی ہے۔ پھر سے لکھ دیا جاتا ہے۔
بھگوان فرماتے ہیں

अनुद्वेगकरं वाक्यं सत्यं प्रियहितं च यत् ।

स्वाध्यायाध्यसनं चैव वाङ्मयं तप उच्यते ॥

اودوگ کرم - داکیم - سیتیم - پرہ - ہتیم - چہ - یت
سوادھیا یا بھسینم - چپو - وانگ میم تپ - اچیتے ۱۵
ارکھ - ہے ارجن - دکھ نہ دینے والا - سیتہ - کو مل - بہت کر یعنی بھلائی
چاہنے والا - دچن بولنا - دھرم گرتھوں کا پڑھنا اور پرمانما کے نام کا جاپ

۱- دکھ نہ دینے والا ۲- بہت چاہنے والا ۳- جو ۴- ابھیا س ۵- بانی (زبان)

یہ بانی یعنی زبان کے تپ ہیں۔

ان تپوں میں سے پہلے دو تپوں کا ذکر کافی وضاحت سے کر چکے ہیں۔ آج کے مضمون میں ہنترک **ہیتک**ر وچن بولنے چاہیں۔ اس پر اپنے وچار پڑھنے والوں کی سیوا میں پیش کرتا ہوں۔

ہنگوان کا فرمان ہے کہ زبان سے ہمیشہ ہنترک وچن بولنے چاہئیں یعنی ایسے وچن جن سے دوسرے لوگوں کا ہرمت یعنی محبت اور بھلائی ملے۔

اس سلسلے میں لوکمانیہ تلک جی مہاراج فرماتے ہیں کہ اگر ستیہ کر ڈا ہے تو دوسرے کے ہرمت کی خاطر ستیہ کو قربان کر دینا چاہیئے۔ اور اگر دوسرے کی بھلائی کے لئے جھوٹ بھی بولنا پڑ جائے۔ تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اس بارے میں ایک اور مثال عام طور پر دی جاتی ہے کہ ایک شکاری ہندوق لے کر ہرن کے شکار کو نکلتا ہے ہرن بھاگ کر ایک سادھو کی گٹیا میں چھپ جاتا ہے۔ شکاری بھی ہرن کا پیچھا کرتا ہوا اسی سادھو کی گٹیا پر پہنچ جاتا ہے۔ اور سادھو سے پوچھتا ہے کہ اُس نے ہرن کو جاتے ہوئے کہاں دیکھا ہے۔ سادھو کہہ دیتا ہے کہ اس طرف تو کوئی ہرن نہیں آیا۔ شکاری یہ سن کر چلا جاتا ہے اور ہرن کی جان بچ جاتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس بات میں سادھو کا کوئی دوش ہے یا نہیں۔ تلک جی مہاراج اس سببندہ میں فرماتے ہیں کہ ہرگز نہیں۔ سادھو کا کوئی بھی دوش نہیں ہے

کیونکہ سادھو نے اپنے نفع کی خاطر جھوٹ نہیں بولا۔ بلکہ ایک معصوم ہرن کی جان بچانے کے لئے جھوٹ بولا ہے۔

سادھو نے سچائی کو قربان تو کیا ہے مگر اس سے ہرن کی جان بچا لی۔ اس میں کوئی بھی دوش نہیں ہونا چاہیے بلکہ یہ تو اکٹا ایک پنیہ ہے۔ کارِ ثواب ہے کیونکہ سادھو کا بھلا و بہت اوپچا تھا۔ اس کی نیت پاک تھی۔ اُس کا نکش پر اوپکار تھا۔ اُس کا مدعا خدمتِ خلق تھا۔ اور وہ جھوٹ جو ایک چو کی حفاظت کرا سکتا ہے۔ اس سچ سے بدرجہا بہتر ہے جو ہرن کو گھات کرا دیتا۔

اس قسم کی ایک حکایت شیخ سعدی صاحب کی مشہور کتاب گلستان میں بھی درج ہے۔ فرماتے ہیں۔

ایک بادشاہ کے سامنے ایک قیدی کو پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے اُس کے جرم کی سزا میں حکم دیا کہ اُسے قتل کر دیا جائے۔ اُس قیدی نے اپنی بیکیسی کی حالت کو دیکھ کر اور اپنی زندگی سے نا اُمید ہو کر بادشاہ کو اپنی مادری زبان میں جس کو کہ بادشاہ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ خوب گالیاں دینی شروع کر دیں۔ کیونکہ بادشاہ کو کچھ بھی سمجھ نہ آیا۔ اُس نے اپنے وزیر سے دریافت کیا کہ یہ قیدی کیا کہتا ہے۔

اُس بادشاہ کے دو وزیر تھے۔ اُن میں سے ایک تو نیک خصلت اور رحمدل تھا۔ اور دوسرا بد خصلت اور بے رحم تھا۔ نیک دل وزیر بادشاہ سے کہنے لگا۔ کہ اے بادشاہ! یہ قیدی منہیں اور تمہارے بچوں کو دھامیں

دے رہا ہے۔ بادشاہ کو یہ بات سنکر رحم آگیا اور اُس نے اُس قیدی کی جان بخشی کر دی۔ اور اُسے بری کر دیا۔ اس پر دوسرا وزیر جو کسی کی بھلائی میں بھی خوش نہ ہوتا تھا۔ کہتے لگا۔ اے بادشاہ سلامت! پہلے وزیر نے بالکل جھوٹ کہا ہے اور آپ کو دھوکا دیا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ قیدی آپ کو اور آپ کے خاندان کو فحش گالیاں دے رہا تھا۔

بادشاہ کو دوسرے وزیر کی بات بہت ہی بُری لگی۔ وہ کہنے لگا کہ اے بد فطرت وزیر۔ پہلے وزیر کا جھوٹ تمہارے سچ کی نسبت ہمیں زیادہ پسند آیا ہے۔ کیونکہ اس کی نیت نیک تھی۔ اور تمہاری نیت بد ہے پہلا وزیر اس بیچارے قیدی کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ اور اُس کی بہتری کے لئے اس نے جھوٹ بولنا گوارا کیا۔ مگر تم تو سچ بول کر اس قیدی کو تباہ کرنا چاہتے ہو۔

چنانچہ اس حکایت سے سبق نکالتے ہوئے شیخ سعدی صاحب فرماتے ہیں

” دروغ مصلحت آمیز بہ زراستی فتنہ انگیز ”

مطلب - اچھا نتیجہ پیدا کرنے والا جھوٹ اس سچ سے بہتر ہے جس سے شرارت پیدا ہو جائے۔

لہذا اگر دوسرے شخص کی بہتری ہوتی دیکھکر انسان کو سچ بھی قربان کرنا پڑ جائے۔ تو موزوں ہے۔ بالکل واجب ہے۔ انسان پر فرض ہے کہ اپنی زبان سے ہمیشہ ایسے وچن بولے جس سے دوسروں کی بھلائی و محبت

اور ہمت مقصود ہو۔

ہتکرتہ **हितकर** وچنوں کے بعد بھگوان کا فرمان ہے کہ سوا دھیا کرنا چاہیے۔ سوا دھیائے کو بھی زبان کا تپ کہا گیا ہے۔

سوا دھیائے کا مطلب ہے۔ دھرم پستکوں کا غور سے پڑھنا۔
 پودے کو جیسی کھا دلتی ہے اس میں ویسی ہی صفتیں پیدا ہوجاتی
 ہیں۔ اسی طرح انسان بھی جس وایو منڈل یعنی فضا میں رہتا ہے۔ اس
 میں آہستہ آہستہ اُس وایو منڈل کے انوساہ سنسکار پیدا ہو جاتے
 ہیں۔ اور کچھ عرصہ کے بعد وہ پاک کر فطرت بن جاتے ہیں۔ لہذا دھرم پستکوں
 کا پڑھنا آدمی پر فرض لگا دیا گیا ہے۔ تاکہ اُن پستکوں کے وایو منڈل
 میں رہ کر انسان کی رچی ور غبت دھرم کی طرف ہوتی جائے۔ دھرم پستکوں
 کے پوتر شبدوں اور وچاروں کو بار بار پڑھنے سے آدمی کا دل منسا
 ہوتا جاتا ہے۔ اور دل کی صفائی کے ساتھ ساتھ زبان میں نرمی بٹھاس
 اور پاکیزگی آتی جاتی ہے۔

ادوم شرم

اوم شری پرمانئے منہ

سوادھیائے

یعنی

دھرم پستکوں کا پڑھنا

بانی یعنی زبان کے تین قسم کے پتوں کا ذکر پچھلے مضمونوں میں کر چکے ہیں۔ وہ تپ یہ ہیں۔ دکھنہ و سینہ والا بچن بولنا۔ سچ بولنا اور بہت بکر یعنی دوسرے کی بھلائی چاہنے والا بچن بولنا۔ یہ زبان کے تین تپ ہیں۔
زبان کا چوتھا تپ ہے سوادھیائے یعنی شددھ دھرم پستکوں کا پڑھنا اور ان پر دھار کرنا۔

سوادھیائے کے متعلق تھوڑا سا پچھلے مضمون کے آخر میں ذکر کیا گیا تھا۔ اب چند ایک اور دھار پڑھنے والوں کی سیوا میں پیش کئے جاتے ہیں۔
پا تھل مٹی جی ہمارا ج اپنے لوگ شاستر کے سادھن پادیں فرماتے ہیں۔

तपः स्वाध्यायेश्वर प्रणिधानानि क्रिया योगः ।

تپا۔ سوادھیائے۔ ایشور۔ پرنسٹریڈھانانی۔ کر یا۔ یوگا

ارکھ۔ نپ سوادھیائے اور سب کاموں کو ایشورارپن کر دینا یہ کربا یوگ ہے۔ ان تینوں کے کرنے سے کربا یوگ یعنی *Yog of Action* کی سدھی ہوتی ہے۔

یہ ہے سوادھیائے کی جہاں۔ اس کی برکت انسان پر خود بخود کھل جاتی ہے۔ اگر وہ نیم پوروک چھ ماہ تک بھی دل لگا کر سوادھیائے کرتا رہے۔ سوادھیائے کا سب سے اچھا وقت صبح سویرے سورج نکلنے سے پہلے ہوتا ہے۔ اس وقت من میں شانتی ہوتی ہے اور دماغ تروتازہ ہوتا ہے جو کچھ اس وقت پڑھا جائے یاد رہ جاتا ہے اور اپنا اثر لاتا ہے۔

اگر انسان کسی اچھی دھرم پُستک کا ایک صفحہ بھی روزانہ پڑھنے کا پکا ارادہ کر لے تو سال میں وہ ایک یا دو کتابیں تو ضرور ختم کر لے گا۔ ایسا کرنے سے وہ خود بخود محسوس کرے گا کہ اس کی ودیا گرہن کرنے کی شکتی روزانہ بڑھ رہی ہے۔ گیان کا حاصل کرنا اس کے لئے آسان ہوتا جاتا ہے۔ سنکرت کا ایک شلوک ہے۔

जल बिन्दु निपातेन क्रमशः पूर्यते घटः ।

स हेतु सर्व विद्यानां धर्मस्य च धनस्य च ॥

جل بندو۔ نپا تین۔ کر مشا۔ پور یتے۔ گھٹ

سا۔ ہنیتو۔ سرود۔ ودیا نام۔ دھرم سید۔ چہ۔ دھنہ۔ چہ

ارکھ۔ جس طرح بوند بوند پڑنے سے گھڑا بھر جاتا ہے۔ اسی طرح

۱۔ بوند ۲۔ گرے سے ۳۔ آہستہ آہستہ ۴۔ بھر جاتا ہے ۵۔ گھڑا

تھوڑا تھوڑا کرنے سے سب دویا میں حاصل ہو جاتی ہیں۔ ٹھیک یہی حال دھرم اور دھن کا ہے۔ تھوڑا تھوڑا اکٹھا کرنے سے دھرم اور دھن بھی بہتات میں جمع ہو جاتے ہیں۔

فارسی کا ایک شعر ہے

اندک اندک بہم شود بسیار

دانہ دانہ است غلہ در انبار

مطلب۔ تھوڑا تھوڑا اکٹھا کرنے سے بہت ہو جاتا ہے۔ ایک ایک دانہ جمع کرنے سے گندم کے انبار لگ جاتے ہیں۔

ریت کے چھوٹے چھوٹے ذرے مل کر ریگستان بنا دیتے ہیں پانی کے چھوٹے چھوٹے قطرے اکٹھے ہو کر دریا اور سمندر بنا دیتے ہیں۔ جن کا نہ اور نظر آتا ہے۔ اور نہ چھوڑ۔

یہ عام تجربہ کی بات ہے کہ دھن اکٹھا کر لے میں پہلے پہل بہت ہی دقت ہوتی ہے۔ شروع شروع میں سارا دن جان توڑ کوشش کرنے کے باوجود ایک معمولی دوکاندار مشکل سے آٹھ آنے کے پائے بچاتا ہے مگر جوں جوں اس کی پونجی بڑھتی جاتی ہے اس کی بچت کی رفتار بھی بڑھتی جاتی ہے۔ ایک دن ایسا آتا ہے کہ اس دوکاندار کے لئے دس روپے روز کا نفع کر لینا آسان ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کرتے کرتے وہ آخر اس درجہ کو پہنچ جاتا ہے کہ ایک ایک سو دس میں دس ہزار روپیہ کا نفع کر لینا اس کے لئے کھیل بن جاتا ہے۔

جس طرح روپیہ روپے کو پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح ودیا بھی ودیا کو پیدا کرتی ہے۔ پہلی جماعت کا لڑکا اردو کی پہلی کتاب کے ایک صفحہ کو مشکل سے گھنٹے میں ختم کر سکتا ہے۔ مگر مڈل پاس لڑکا ایک گھنٹہ میں تیس چالیس صفحے پڑھ جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح دہرم پستکوں کا مضمون اخوڑا سوادھیائے بھی آخر میں جا کر بہت پھل دینے والا ہوتا ہے۔ ایک ایک صفحہ روزانہ پڑھنے سے ایک وقت ایسا آتا ہے کہ پڑھنے والے میں علم کے حاصل کرنے کی شکتی اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ کھٹن سے کھٹن گرنے بھی اس کو کھیل دکھائی دیتے ہیں۔

اس لئے اس مضمون کے پڑھنے والوں سے یہی پراگتھا ہے کہ وہ آج سے ہی سوادھیائے کو شروع کر دیں اور زیادہ نہیں تو چھ ماہ تک نیم پورک سوادھیائے کر دیکھیں۔ ان کو پھر کسی سے سوادھیائے کی برکات پوچھنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

میرا اپنا یہی دستور ہے کہ میں دن میں ایک منتر سے زیادہ نہیں پڑھتا۔ اور اس پڑھے ہوئے منتر کو مضمون کرنے کی کوشش کرتا ہوں اسی طرح ایک ایک منتر روزانہ پڑھنے سے کئی اعلیٰ سے اعلیٰ دہرم گرنے پر عبور پا چکا ہوں۔

شری پانتھل مئی جی نے یوگ ابھیاس کے آٹھ انگوں کا ذکر کرتے ہوئے پانچ بیٹوں کی ہدایت کی ہے۔ ان پانچ بیٹوں میں سے چوتھا سوادھیائے ہے۔

سوادھیائے کے سمبندھ میں پاتنجلی جی مہاراج کا سوتر ہے۔

स्वाध्यायादिष्ट देवता संप्रयोगः ॥

سوادھیایات۔ اشٹ دیوتا۔ ستم پر یوگا

ارنھ۔ سوادھیائے کرنے سے انسان کو اپنے اشٹ دیوتا کا ملاپ ہو جاتا ہے۔

اشٹ دیوتا سے مراد ہے۔ من چاا دیوتا۔ یعنی جس دیوتا کو انسان اپنے من سے چاہتا ہے۔ سوادھیائے کرنے سے اُسے وہ اشٹ دیو مل جاتا ہے اور روحانیت کے میدان میں وہی اشٹ دیو اپنے جگت کی رہبری کرتا ہے۔

جگوان شری کرشن چندر جی نے سوادھیائے کو ایک بڑا بھاری گیہ جتایا ہے۔ جگوت گیتا کے چوتھے ادھیائے میں آپ فرماتے ہیں۔

स्वाध्यायज्ञानयज्ञाश्च यत्तयः संश्रित ब्रह्माः ॥

سوادھیائے۔ گیان۔ یگیا شیم۔ یت یا۔ سنہشت ورتا

ارنھ۔ تپسوی لوگ۔ جتی لوگ۔ کھن۔ ورت دھارن کرنے والے لوگ سوادھیائے اور گیان یگیہ کرتے ہیں۔

یہ ہے سوادھیائے کی جہاں۔ یتیم پوروک سوادھیائے کرنا ایک بڑت ہے۔ جس کو یوگی لوگ بھی پریم پوروک کہتے ہیں۔ اس واسطے تو

ہلکوان نے سوادھیائے کو بانی یعنی زبان کا تپ بتلایا ہے۔
 جیسے آگ میں تپنے سے سونا شدھ ہو کر چمک اٹھتا ہے۔ اسبطر
 سوادھیائے سے بانی اور من صاف ہو کر روشن ہو جاتے ہیں۔

اوم شم

طرح
 سواد
 آدمی
 زبان

ار
 یاد کہ
 ہے

۱۔ اس

اوم شری پرستے نہ

جَب سے بانی کی پورتا

سوادھیائے یعنی دھرم پستکوں کے پڑھنے سے زبان اور من کس طرح شدہ ہو جاتے ہیں۔ اس کا ذکر پچھلے مضمون میں کر آئے ہیں۔
سوادھیائے کے بعد بانی کو شدہ کرنے کے لئے بھگوان کا حکم ہے کہ آدمی اوم کے جَب کا ابھیاس کرے۔ اوم کا جَب کرنے سے آدمی کی زبان پورتر یعنی پاک ہو جاتی ہے۔
شری پاتنجل مہی جی مہاراج فرماتے ہیں۔

तस्य वाचकः प्रभावः

شبیہ - واچکا - پر نر ٹکوا

ارکھ - پر ماتا کا واک نام اوم ہے۔ یعنی اوم سے ہی اُسے یاد کیا جاسکتا ہے۔

یعنی جس سے یہ دنیا پیدا ہوئی ہے۔ جو اس دنیا کی پرورش کرتا ہے اور جو پھر اسے مٹا دیتا ہے۔ اُس ہستی کا نام۔ اُس طاقت کا نام

ادم ہے۔
شرید مملکت گیتا میں بھی آیا ہے۔

ओमित्येकाक्षरं ब्रह्म

ادم۔ ائی۔ ایک اکھشرم۔ برہم
ارکھ۔ وہ ہمیشہ رہنے والا لافانی برہم ادم ہی ہے
اسی طرح مانڈوک آپنشد میں بھی آیا ہے۔

ओमित्येतदक्षरम्

ادم ائی ایت اکھشرم
ارکھ۔ جو کبھی بھی ناش ہونے والا نہیں ہے۔ یہ ادم ہی ہے
اُس سروشکیتمان۔ قادر مطلق۔ پرمانتا کا نام ادم ہے اور اس
نام چنے کی شاستر ہدایت کرتے ہیں۔
پاتنجل منی جی ہمارا ج فرماتے ہیں۔

तत्तुपस्तदर्थभावनम्

تت چس۔ ت ارکھ بھ ادم
ارکھ۔ اُس ادم کا جپ کرو۔ اور جس سروشکیتمان کا وہ ادم نام
ہے۔ اُس کی بھادنا کرو۔ یعنی اُس پر مشور کا وہیان کرو۔
ایسا کرنے سے پاتنجل منی جی ہمارا ج فرماتے ہیں۔
(سوتر اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمادیں)

ततः प्रत्यक् चेतनविधिमनोऽप्यन्तरायभासम् ॥

تتا۔ پرتیک۔ چتینا۔ ادھی گمو۔ اپی۔ انترائے۔ اَبھاوش

ارکھ۔ ادم کا چپ کرنے سے اور بھگوان کا دھیان کرنے سے انتریاہی
چتین پر ماتما کی پراپتی ہو جاتی ہے۔ اور پر ماتما کی پراپتی کے رستے میں جو
بھی رُکاوٹیں ہو سکتی ہیں۔ وہ پر ماتما کی دیا سے خود بخود دور ہو جاتی ہیں
اسی واسطے تو ادم کے جَب پر مدھم شاستر اس قدر زور دیتے ہیں کیونکہ
پر ماتما تک پہنچنے کا یہ سب سے سہل رستہ ہے۔

سری گورو گرنتھ صاحب کے واگ داک میں پر ماتما کے نام کے
سرن کا آپدیش دیا گیا ہے۔

سُکھ منی صاحب کا پہلا شبد ہے

بسمو۔ بسمو بسمو سُکھ پاؤ

کل کلیش تن ماہیں بسٹاؤ

ارکھ۔ اے انسان! پر ماتما کے نام کا بسمن کر اُس کو یاد کر
ایسا کرنے سے تم سُکھ کو پراپت کرو گے۔ تنہا رے جسم سے سب کلیش
اور تکلیفیں دور ہو جاوینگے۔ یعنی خود بخود بسٹ جاوینگے۔

سُکھ منی صاحب میں ایک اور جگہ آیا ہے

سو بسمو جس آپ۔ بسمو اے

نانک تتاکے لاگوں پا

ارکھ - پرماتا کے نام کا سمرن وہ شخص کر سکتا ہے جس پر پرماتما کی دیا ہوتی ہے۔ جس پر اُس کی نظر رحمت ہوتی ہے۔ وہی پرماتما کے نام کو جذب کر سکتا ہے۔ گورو نانک دیو جی کہتے ہیں۔ ایسے آدمیوں کے پاؤں پر گر پڑنے کو جی چاہتا ہے۔

اسی طرح ایک اور شبد ہے

سمرن تے لاگے جس آپ دیا لا
نانک تاکی سنگے روا لا

ارکھ - وہ دیا دان - دیا کا بھنڈار پرماتا جس شخص کو اپنے نام کے سمرن میں لگا دیتا ہے۔ گرو جی فرماتے ہیں ایسے شخصوں کے پاؤں کی خاک مجھے چاہیے تاکہ میں اُس پاک مٹی کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں اس پاکیزہ خاک سے اپنے ماتھے پر تلک سجاؤں۔ ایسی مٹی تو چندن سے بھی زیادہ خوشبودار ہوتی ہے۔

اسی واسطے گورو نانک دیو جی ہر وقت پرماتما سے اس کے نام سمرن کا ہی دان مانگتے رہتے تھے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز ان کی آنکھوں میں نہیں جیتی تھی۔

چنانچہ ان کا ایک شبد ہے

نانک مانگے نام دان - کر پا کرو ہرے

ارکھ - اے پر بھو! میں آپ سے نام کا دان مانگتا ہوں۔ مجھے اپنے نام کے سمرن کی شکتی دیجئے۔ ہے پر بھو! کر پا کرو۔ مہر کرو اور مجھ

بھکاری کو اس نام دان کی خیرات سے شاداب کرو۔

گرو جی مہاراج کا فرمان ہے کہ جو وقت بھگوان کے نام چلنے میں لگتا ہے۔ اتنا وقت تو انسان زندہ رہتا ہے۔ باقی وقت میں وہ مرے ہوؤں کے سمان ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں

آکھاں چوواں۔ دوسرے مر جاواں۔ آکھن آدکھا سچا ناواں

ارکھ۔ ہے پر بھو! جتنا وقت میں تمہیں یاد کرتا ہوں۔ جتنا وقت میں تمہارا سمرن کرتا ہوں۔ اتنا وقت تو میں جیتا ہوں۔ جب تمہارا نام بھول جاتا ہوں۔ جب تمہیں یاد کرنا چھوڑ دیتا ہوں۔ میں مُردے کے برابر ہوتا ہوں۔ آگے فرماتے ہیں کہ پر ماتما کے نام کا سمرن کھن کام ہے آسان نہیں ہے۔ کیونکہ دل میں سچی لگن ہونے کے بغیر پر ماتما کے نام کا سمرن ممکن نہیں ہے۔

ایک طرف تو یہ جذبات ہیں کہ جو وقت پر بھو سمرن میں نہیں لگایا جاتا وہ رائیگاں سمجھنا چاہیئے۔ دوسری طرف آج کل کے مادہ پرست اور دولت پرست دائیو منڈل میں سینکڑوں کی تعداد میں ایسے آدمی ہیں جو موجودہ زمانے کے خیال کے مطابق تعلیم یافتہ ہیں۔ بلکہ ان کو اپنی تعلیم پر ناز ہے۔ سینکڑوں کی تعداد میں ایسے آدمی پر ماتما کی مہتی سے بھی انکاری ہیں۔ اس کے نام سمرن کے تو وہ کیا قائل ہوں گے۔ ایسے آدمیوں کی باتیں سن کر افسوس ہی آتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہمہ دان سمجھ کر پر ماتما کی

ہستی سے منکر ہو رہے ہیں۔ اور خوب دل کھول کر دلیلیں لڑا رہے ہیں ان
بیچاروں کو یہ خبر نہیں کہ پر ماتا کی ہستی دلیلوں سے سدھ نہیں ہوتی۔
چنانچہ کھٹ آپ نشد میں آیا ہے

नैषा तर्केण मतिरापनेया

نیشا - ترکیں - متی - آپسنے یا

ارتھ - پر ماتا ترک یعنی دلیلوں سے پراپت نہیں ہو سکتا کیونکہ
پر ماتا دلیل بازی کا مضمون ہی نہیں ہے۔

جس طرح اندھا سورج کی روشنی کو دلیل کے ذریعہ سے نہیں
سمجھ سکتا۔ اسی طرح پر ماتا کی ہستی بھی دلیل کا مضمون نہیں ہے
یہ تو الفو بھو یعنی احساس کا مضمون ہے۔ جس خوش نصیب کی اندرونی
آنکھ کھل گئی ہے اُس نے پھر زبان نہیں کھولی۔ دلیل اس سے فوراً
چھوٹ گئی ہے۔ وہ پر ماتا کا قائل ہو گیا ہے۔ وہ اس کا گردیدہ بن گیا ہے۔

اوم شرم

اوم شری پرما تے نہ

کرت کرت ابھیاس

جرٹ مت ہوت سچان

اوم کے جب کا ابھیاس زبان کی شدھی کا بڑا بھاری سا دھن
یعنی ذریعہ ہے۔ پچھلے مضمون میں اس بارے میں کچھ وچار پڑھنے
والوں کی خدمت میں پیش کئے جا چکے ہیں۔ اس مضمون میں چند ایک
اور خیالات ظاہر کر کے زبان کے شب کے مضمون کو ختم کر دیں گے۔
اپنی دیکھوتیوں کا ذکر کرتے ہوئے شرمید بھگوت گیتا کے سوس
اوصیائے میں بھگوان شری کرشن چندر جی ہمارا ج فرماتے ہیں۔

यज्ञानां जपयज्ञो ऽस्मि

گیان نام۔ جب۔ یگیو اسمی ॥

ارٹھ۔ ہے ارجن! سب یگیوں میں جب یگیہ میں ہوں۔ یعنی دیسے
تو سارے یگیہ ادم ہیں۔ مگر جب یگیہ سب سے بڑھ کر ادم ہے جب
یگیہ سے بڑھ کر اور کوئی یگیہ نہیں ہے۔ چنانچہ جب یگیہ کو پرما تہ کی دیکھوتی
جتلایا گیا ہے

بھگوت گیتا کے آٹھویں ادھیائے میں بھی بھگوان فرماتے ہیں۔

अनन्य चेताः सततं यो मां स्मरति नित्यशः
तस्याहं सुलभः पार्थ नित्य युक्तस्य योगिनः॥

انیتھ - چیتا - ستتم - یو - مام - سمرتی - نیتھ - شا
شیتھ - اہم - سلبھا - پارٹھ - نیتھ - یکتیتھ - یوگیتا ۱۴

ارٹھ - ہے ارجن! جو شخص دل لگا کر ہمیشہ اور لگاتار میرا ہی سمرن کرتا ہے اس آدمی کو میں جلدی ہی مل جاتا ہوں۔

اس شلوک میں لفظ (سولم) سلبھ قابل غور ہے۔ سلبھ کا مطلب ہے جلدی لہجہ جانے والا۔ آسانی سے مل جانے والا۔

بھگوان فرماتے ہیں کہ جو شخص میرا سمرن دل لگا کر کرے گا وہ آسانی سے مجھے پائے گا۔

مگر شرط یہ ہے کہ سمرن دل لگا کر ہو۔ صرف فرضن ٹالنے کی خاطر نہ ہو۔ دکھاوے کی خاطر نہ ہو۔ اپنے ہمسائے پر رعب ڈالنے کی غرض سے نہ ہو۔ سچے دل سے بھگوان کا سمرن ہو۔ نہ کہ اس خیال سے ہو کہ لوگوں میں مشہوری ہو۔ کہ فلاں آدمی بڑا بھگت ہے۔

دکھاوے کی غرض سے سمرن کیا ہوا بیکار جاتا ہے۔ یہ کبھی بھی پھل نہیں لاتا۔ جس طرح کہ ہل چلانے کے بغیر چٹیل میکان میں اگر دلنے بکھیر دیئے جائیں تو وہ کبھی بھی نہیں اُگ سکتے۔ کیونکہ فوراً اُن دانوں

کو پرندے چُک جاتے ہیں۔ ٹھیک یہی حالت اس سمرن کی ہے جو
نمائش کی غرض سے کیا جاتا ہے۔ جس میں زبان تو اوم کا شبد اُچارن
کر رہی ہے اور دل کسی اور دُچار میں لگا ہوا ہے۔ بھلا ایسے سمرن سے
کیا فائدہ۔ یہ تو مفت کی سرور دی ہے۔

کبیر بھگت جی نے سمرن کا خوب طریقہ بتایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔
سمرن سُرَت لگائے کے کھتے کچھو نہ بول

باہر کے پُٹ بند کر۔ اندر کے پُٹ کھول

اگر کھتے۔ سُرَت لگا کر یعنی خوب توجہ کے ساتھ پر بھوکا سمرن کرنا چاہیئے
باہر کے دروازوں یعنی حواسِ خمسہ کو بند کر کے اندر کے دروازے کھول
دیئے چاہئیں۔ پھر جا کر سمرن پھل لاتا ہے اور بہت جلدی پھل لاتا ہے۔

اوم کے جپ سے جلدی سُدھی پراپت ہو جاتی ہے۔

پاتنجل مَنی جی مہاراج کا سوتر ہے۔

जन्मौषधि मन्त्रतपः समाधिजाः सिद्धयः ॥

جنم۔ اُدشہی۔ منتر۔ تپا۔ سما دھی جا۔ سُدھیا

اگر کھتے۔ پانچ طریقوں سے سُدھی حاصل ہوتی ہے۔ جنم سے۔ اُدشہی
سے۔ منتر سے۔ تپ سے اور سما دھی سے۔

کئی پاک ہستیاں تو جنم سے ہی سُدھ پیدا ہوتی ہیں مثلاً کپیل مَنی جی۔
اور وام دیو جی مہاراج۔

کئی ہستیاں ادھر ہی سے یا خاص قسم کی خوراک اور دوائی سے
سَدھی پراپت کر لیتی ہیں۔ مثال کے طور پر اگلے زمانے میں یوگی لوگ
سوم رَس پی کر بڑھاپے کو جوانی میں بدل سکتے تھے۔

کئی ہستیاں منتر کے جپ سے سَدھی حاصل کر لیتی ہیں یعنی اوم کے
ابھیاس سے سَدھی پراپت کر لیتے ہیں۔ ان کے علاوہ تپ اور سما دھی
سے بھی سَدھی پراپت ہوتی ہے۔

اسی واسطے تو بھگوان جپ کرنے پر زور دیتے ہیں کیونکہ اوم کے
جپ سے انسان جلد ہی شدھ ہو جاتا ہے اور پریم گنتی کو پالیتا ہے۔
انسان جس چیز کا ہر وقت خیال کرتا ہے وہ خود بخود بھی ویسا ہی ہو
جاتا ہے۔ بھگوت گیتا میں بھی آیا ہے کہ دیوتاؤں کے پوجنے والے
دیوتاؤں کو پہنچتے ہیں۔ پتروں کو پوجنے والے پتروں کو پاتے ہیں اور
بھگوان کے پوجنے والے بھگوان کو پہنچ جاتے ہیں۔

اسی لئے جو شخص ہر وقت دل سے بھگوان کا سمن کرتا ہے
وہ ضرور بھگوان کو پاتا ہے اس میں کوئی بھی شک نہیں ہے۔

مولانا رومی صاحب کا ایک مصرعہ ہے

اللہ اللہ گفتہ خود اللہ شہوی

یعنی اللہ کو ہر وقت یاد کرنے سے تو خود اللہ میں داخل ہو جائیگا۔
یعنی پر مائیں مل جاوے گا۔

زبان سے بھگوان کا سمن کس قدر ضروری ہے۔ اس کی بابت شری

گرو نانک دیو جی مہاراج جپ جی صاحب میں فرماتے ہیں۔

اک توں جیسا لکھ ہووے لکھ ہووے لکھ بیس
لکھ لکھ گیارہ آکھئے ایک نام جگہ لیش

اگر لکھتے۔ فرماتے ہیں کہ آدمی کے منہ میں ایک زبان ہے اگر ایک کی جگہ
لاکھ زبانیں ہو جائیں اور پھر ان لاکھ زبانوں کی جگہ ایک ایک زبان کے
بدلے بیس بیس لاکھ زبانیں انسان کے منہ میں ہو جائیں اور ان کو پڑنا
زبانوں کے ہوتے ہوئے ہر ایک زبان سے بھگوان کے نام کا لاکھ لاکھ
پیرا کہا جائے تو بھی مشکل سے جا کہ بھگوان کا پورا سمرن ہو سکتا ہے
یعنی کوڑا اور ارب نام کے جپ کرنے کے بعد بھی انسان یہ نہیں
کہہ سکتا کہ میں نے بھگوان کا پورا سمرن کر لیا ہے اور اپنے فرض سے
سبکدوش ہو گیا ہوں۔

اس جپ کا کیا لا بھ ہوگا۔ اگلے شدید میں گرو جی مہاراج فرماتے

ہیں۔

ایت راہ پنت پوڑیاں چڑھئے ہوئے اک ایش

اگر لکھتے۔ بھگوان کے نام کا جپ گویا پنت کی سیڑھی ہے۔ اعتبار کا زینہ
ہے۔ جو جپ کرنے والے کو بھگوان کے دربار تک لے جاتا ہے
بلکہ اُسے ایش سور کے ساتھ بلا دیتا ہے۔

یہ ہے جپ کی عظمت۔ اسی واسطے تو بھگوان ہتری کرشن چندر جی فرماتے
ہیں کہ بھگوان کے نام کے جپ کا ابھیاس کر کے اپنی بانی کو شہ کرو۔

ابھیاس کا مطلب ہے کسی کام کو بار بار کرنا۔ بار بار کرنے سے مشکل سے
سے مشکل کام بھی آسان ہو جاتے ہیں۔

ایک ہندی شاعر کہتا ہے

کرت کرت ابھیاس جڑ مت ہوت سجان

رستری آدست جات جیل ریل پر پڑت نشان

ارٹھ - ابھیاس کرنے سے مورکھ بھی گمبانی بن جاتا ہے۔ جاہل

بھی عالم فاضل ہو جاتا ہے۔ جیسے رسی کے بار بار گزرنے سے پتھر پر

بھی نشان پڑ جاتا ہے۔

انسان کو چاہیے کہ بہت نہ مارے۔ ابھیاس میں لگا رہے۔

ابھیاس کرتے کرتے رستہ خود بخود سہل ہو جائے گا۔

اسی واسطے اس مضمون کے پڑھنے والوں کی

ہے کہ اوم کے جپ کے ابھیاس سے اپنی زبان کو پوتر یعنی پاک

کریں۔ اس ابھیاس سے زبان کیسے پاک ہو جاتی ہے۔ یہ راز چند

عرصہ کے ابھیاس کے بعد خود بخود اُن پر کھل جائے گا۔ اس جپ کی

تاثیر دیکھ کر وہ خود حیران رہ جائیں گے۔

اوم شرم

ادم مشری پرمانہ

من بڑا چھل ہے

جسم اور زبان کے تپ کا ذکر کافی وضاحت کے ساتھ پچھلے مضامین میں کر چکے ہیں۔ ان تپوں کے بعد بھگوان من کے تپ کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ تپ ایسے ہیں۔ جن کے کرنے سے من یعنی نفسِ آمازہ کی ساری کی ساری غلاظتیں دور ہو جاتی ہیں۔ من برنل ہو جاتا ہے۔ صاف و شفاف ہو جاتا ہے۔

جس طرح صاف آئینے میں انسان اپنی شکل کو خوبی کے ساتھ دیکھ سکتا ہے اسی طرح من کے صاف ہو جانے پر پرماتما کا پرکاش اس میں نظر آنے لگتا ہے۔ من کا صاف کرنا سب سے ضروری ہے کیونکہ من تمام اندریوں کا راجہ ہے۔ سب کا ادھشٹا ہے۔ سب کا سہارا ہے۔ من کے آئینے ہی سب اندریاں مثلاً آنکھیں۔ کان۔ ناک وغیرہ کام کرتی ہیں۔ من اگر کسی دوسرے دھیان میں لگا ہوا ہے تو سامنے دھڑ بھڑ چیز کو بھی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ آنکھیں تب کسی چیز کو دیکھ سکتی ہیں۔ جب من کا آنکھوں سے سمبندھ جڑا ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح سے

پاس بیٹھ ہوئے آدمی کی باتیں کان نہیں سُن سکتے۔ جب تک من اُن باتوں کی طرف توجہ نہ کر رہا ہو۔ جو بہی من کی توجہ دوسری طرف لگی۔ اور کان بیکار ہو گئے۔ دراصل من ہی دیکھتا ہے۔ من ہی سنتا ہے۔ من ہی سونگھتا ہے۔ من ہی چمکتا ہے اور من ہی سردی گرمی کا احساس کرتا ہے۔ آنکھیں۔ کان۔ ناک۔ زبان اور جسم پر چھڑا یہ سب بجلی کی تاروں کی طرح من کو باہر کے وحشیوں کی خبر پہنچانے والی تاریں ہیں۔ یہ اندریاں من کی امدادی ہیں۔ یہ من کے معاون ہیں اور من ان سب کا راجہ ہے چنانچہ اسی بات کو بھگوت گیتا کے پندرھویں ادھیائے میں ایک ہی شوک میں بڑی صفائی کے ساتھ ادا کیا گیا ہے۔ بھگوان فرماتے ہیں۔

श्रोत्रं चक्षुः स्पर्शनं च रसनं घ्राणमेव च ।

अभिधाय मनश्चायं विषयानुपसेवते ॥

شروتم۔ چکھو۔ سپرشنم۔ چا۔ رسنم۔ گھرانم۔ ایلو۔ چہ
ادھیائے۔ منش۔ چایم۔ وشیان۔ آپ سیوتے ۱۵
ارکھ۔ کان۔ آنکھ۔ سپرش (چھونا) زبان اور ناک کے ذریعے اور
ان پانچوں کے راجہ من کے ساتھ ملکر آتما وشیوں کا سیون کرتا ہے
پانچ گیان اندریاں اور چھتا من۔ یہ آتما کا سٹاف ہے یعنی علم ہے
جن کے ساتھ ملکر آتما وشیوں کا بھوک کرتا ہے۔

2

۱۔ کان۔ ۲۔ چھونا۔ ۳۔ سونگھنا۔ ۴۔ چھونا۔ ۵۔ دیکھنا۔ ۶۔ بھوکنا

کھٹ آپ نشد میں آیا ہے۔

आत्मेन्द्रियमनोयुक्तं भोक्तेत्याहुर्मनीषिणाः ।

آتم - اندریے - منوکیتم - بھوکنا - اتی - آہو - من ای شینٹرا

ارکھ - اندریوں اور من کے ساتھ جڑ کر چو آتماوشیوں کو بھوگتا ہر
ایسا گیانی مہانتا کہتے ہیں۔

(سی آپ نشد میں آیا ہے کہ

इन्द्रियाणि हयानाहुः

(اندریاں - ہیان - آہو)

یعنی اندریاں گھوڑے ہیں اور

मनः प्रग्रहमेव च

(من - پڑ گہم - ایو - چہ)

من نکام ہے۔

انسان کا جسم ایک رکھ ہے۔ جس میں اندریاں گھوڑے ہیں اور

من نکام ہے۔ بدھی کو چوان ہے۔ اور جیو آتما رکھ کا مالک اس میں

بیٹھا ہوا ہے۔ اگر کو چوان نکام کو سنبھال کر اور کس کر رکھے گا۔ تو اندریاں

یعنی گھوڑے خود بخود سبید سے ہو کر چلیں گے۔ اور رستہ یعنی زندگی کی

منزل آرام سے طے ہو جاوے گی۔ رکھ بھی آرام سے رہے گا۔ اور رکھ

کا مالک جیو آتما جو اس رکھ میں سوار ہے وہ بھی سکھ پائے گا۔

لیکن برعکس اس کے اگر لگام ڈھیلی ہو جائے گی۔ تو گھوڑے سرکش اور
 سرزور ہو جائیں گے اور قابو سے باہر ہو کر رکتھ کو بھی توڑ ڈالیں گے اور
 جیو آتما کو بھی کشت پہنچے گا۔ زندگی کی منزل کو آرام سے طے کرنے کے
 لئے جسم کی حفاظت کے لئے اور جیو آتما کے سکھ کے لئے ضروری
 ہے کہ من یعنی لگام کو کس کر رکھا جائے۔ اسی واسطے بھگوان سری
 کرشن چندرجی من کے تپ پر بہت زور دیتے ہیں۔ کیونکہ من ہی ہمارے
 سکھ دکھ کا کارن ہے۔ اگر لگام ہاتھ سے چھوٹ جائے یا ڈھیلی پڑ
 جائے۔ تو مانگے اور اس کی سواریوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔ اسی طرح
 جب تک انسان کا من قابو میں نہیں ہوگا۔ سکھ کا پر اپت ہونا ناممکن
 ہے۔

گورو نانک دیو جی کا فرمان ہے ॥

من جیتے جگ جیت

جس نے من کو جیت لیا ہے۔ اس نے سارے جگ کو یعنی سنسار کو
 جیت لیا ہے۔

زندگی کا سارا دار و مدار من پر ہی ہے۔ جس طرح رکتھ کے پیسے میں ٹھہرا
 ہوتا ہے اور سب اسے اس دھڑے کے سہارے چلتے ہیں۔ اسی طرح
 انسانی دجو میں من بھی دھڑا رہا ہے۔ ایک یہ قابو میں ہو جائے تو بس
 بیڑا ہی پار ہو جائے۔

من کا قابو کرنا بہت مشکل کام ہے۔ اس کی چھپلتا نیزی اور طاقت

کو دیکھ کر ارجن جی بھگوت گیتا کے چھٹے ادھیائے میں سری کرشن
چندر جی ہاراج سے کہتے ہیں۔

चञ्चलं हि मनः कृष्ण प्रमाथि बलवद् दृढम् ।

तस्याहं निग्रहं मन्ये वायोरिव सुदुष्करम् ॥

دچنچلم۔ ہی۔ من۔ کرشن۔ پرماثی۔ بکوت۔ ورٹھم۔
تسیہ۔ ائم۔ نگرہم۔ نیئے۔ وایو۔ رو۔ سدشکم۔
ارکھ۔ ہے۔ بھگوان۔ یہ من تو بڑا ہی چنچل ہے۔ یہ درڑھ یعنی بچا
ہے۔ بلوان ہے اور مستحق کرنے والا ہے۔ جس طرح وہی کوندلی
بلوتی ہے۔ من بھی اسی طرح آدمی کو چکڑ دیتا ہے۔ اس کا فالو پیٹنا
اس قدر مشکل ہے جیسے ہوا کا دوش کرنا۔
اس پر بھگوان جواب دیتے ہیں۔

असंशयं महाबाहो मनो दुर्निग्रहं चलम् ।

अभ्यासेन तु कौन्तेय वैराग्येण च गृह्यते ॥

اسنیم۔ مہا باہو۔ منو۔ دُر نگرہم۔ چنچل
ابھیاسین۔ تو۔ کونٹے۔ ویراگین۔ چ۔ گرہیتے۔
ارکھ۔ اے ارجن! واقعی یہ من بڑا ہی چنچل ہے اور اس کا دوش
کرنا بہت مشکل ہے۔ لیکن ابھیاس اور ویراگ سے یہ آخر کار قابو

۱۔ من ۲۔ بلوان والا ۳۔ بلوان ۴۔ اُسکو ۵۔ میں ۶۔ قابو آنا ۷۔ مانتا ہوں ۸۔ مشکل
۹۔ چنچل ۱۰۔ قابو میں آنے والا ۱۱۔ چنچل ۱۲۔ ابھیاس سے ۱۳۔ ویراگ سے

میں آجاتا ہے۔
 پاتنجل مئی جی مہاراج لے بھی من کو دوش میں کرنے کا ہو ہو
 یہی طریقہ اپنے لوگ شاستر میں بتایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

अभ्यास बैराग्याभ्याम तन्निरोधः

(ابھیا س۔ ویراگیا بھیا م۔ تانت۔ بزودھا)

ارکھ۔ ابھیا س اور ویراگ سے من کا زودھ ہو جاتا ہے یعنی
 من قابو میں ہو جاتا ہے۔

اوم شم

ادم بشری پر ماتمے منہ

ابھیاس کی ویاکھیا

پچھلے مضمون میں لکھ آئے ہیں کہ من بڑا چنچل ہے اور اس کا دُش میں لانا ایسا مشکل ہے۔ جیسے ہوا کو قابو کرنا۔ مگر ابھیاس اور ویراگ سے یہ چنچل من آخر کار قابو میں آ جاتا ہے اس کو بار بار روکنے سے آخر یہ رُک جاتا ہے۔ اپنا چنچل پن چھوڑ دیتا ہے۔ اور سستہ ہو جاتا ہے من کے سستہ کرنے کا نام ہی من کی ایسا گرتا کہلاتا ہے یعنی من کو اکٹھا کر لینا۔ اس کی حرکت کو بند کر دینا۔ اس کی لہروں کو روک دینا یہی من کی ایسا گرتا ہے۔ یہ واقعی کمٹن ہے۔ گردنیا میں کونسی اعلیٰ چیز ہے۔ جو سہولیت سے مل جاتی ہے ہر ایک چیز کی قیمت قدرت نے مقرر کر رکھی ہے۔ جب تک وہ قیمت ادا نہ کی جائے وہ چیز حاصل نہیں ہو سکتی۔ جتنی بیش قیمت چیز ہوگی۔ اتنا ہی اس کے لئے زیادہ کوشش کرنی پڑے گی۔ کوشش کے بغیر کچھ بھی پراپت نہیں کیا جا سکتا۔ اور کوشش کرنے والے کے لئے کسی چیز کی بھی پراپتی مشکل نہیں ہے۔ چلنے والے کے لئے منزل دُور نہیں ہوتی۔

آرود کا ایک شعر ہے ۵

کاٹ لینا ہر کھن منزل کا کچھ مشکل نہیں

اک ذرا انسان میں چلنے کی ہمت چاہیے

ہمت والے انسان کے لئے دنیا میں کوئی چیز مشکل نہیں یہاں
تک کہ ہمت اور استقلال سے انسان پر ماتا کو بھی پاسکتا ہے البتہ اس
میں بڑی محنت لگتی ہے محنت کرنے والوں نے پر ماتا کو پا کر کے دکھا بھی
دیا ہے۔

جیسے کہ ہم پہلے بھی کئی دفعہ لکھ چکے ہیں۔ ابھیاس کا مطلب ہے
بار بار کرنا۔ ایک کام کو بار بار کرنے سے وہ کام سہل ہو جاتا ہے۔ اور اگر
ابھیاس کو چھوڑ دیا جائے تو آسان کام بھی مشکل بن جاتے ہیں۔
ابھیاس کے بارے میں مشرے پانتھل مئی جی مہاراج کا ایک سوتہ
ہے۔

स तु दीर्घकाल नैरन्तर्य सत्कारासेवितो ऽऽदृभीमः

سا۔ تو۔ دیرگھ کال۔ نیرنتریہ۔ سترکار۔ آسینو تو۔ درڑھ۔ بھومی

ارکھ۔ ابھیاس لمبے وقت تک کرنا چاہیے۔ اس کو لگاتار کرنا چاہیے
اور ستر دھاسے کرنا چاہیے۔ پھر جا کر یہ جڑ پکڑتا ہے۔

ابھیاس کے پختہ ہونے کے لئے اور پھل لانے کے لئے ضروری
ہے کہ اس کو کافی وقت تک کیا جائے۔ ایک سال۔ دو سال بلکہ پانچ
پانچ سال تک ابھیاس میں لگے رہنے سے جا کر ابھیاس مضبوط جڑ

پڑتا ہے۔ پھوڑے وقت کے لئے مرنے سے اس کا کچھ خاص فائدہ نہیں ہوتا۔ معمولی پیشوں کے سیکھنے کے لئے تین تین چار چار سال لگ جاتے ہیں۔ تو من کو روکنے کا اھیاس دلوں میں کیسے پراپت ہو سکتا ہے اس کے لئے بھی کئی سال ہی چاہئیں۔ پھر جا کر یہ اپنا اثر دکھاتا ہے۔

مہاتما گاندھی جی کو شب کرتے ہوئے چالیس سال کا عرصہ ہو گیا ہے لیکن اب تک وہ منزل سے اپنے آپ کو دور ہی پاتے ہیں۔ تو یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ ہم چند دنوں کے کچے پکے اھیاس سے من کی چھتیا کو جیت لیں گے۔ اس کام میں جس قدر بھی مستقل مزاجی اور ہمت ہو۔ پھوڑی ہے۔

اھیاس کی پختگی کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ (नैऋत्य) نیرتربہ ہو۔ لگاتار ہو۔ لوٹ ہو۔ مسلسل ہو۔ اس میں کوئی بھی ٹوڑ نہ آجائے۔ اھیاس ہر روز کرنا چاہیئے۔ اور ایک خاص وقت پر۔ مثلاً ایک آدمی چار بجے صبح کو من کے روکنے کا اھیاس کرتا ہے۔ تو اسے چاہیئے۔ کہ ہر روز چار بجے صبح اٹھ کر اھیاس کرے۔ ایسا کرنے سے اھیاس آسانی سے پختہ ہو جاوے گا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اھیاس ستکار سے کیا جائے۔ شردھا کے ساتھ کیا جائے۔ بیگاں بہک نہ کیا جائے۔ جب تک ستکار کے ساتھ نہ کیا جائے۔ اس میں دل لگ ہی نہیں سکتا۔ محض فرض ٹالنے کی خاطر جو کام کیا جائے۔ وہ شپھل جاتا ہے۔ وہ تو صرف نام ماتر ہی ہے۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ادھر نوکر نے بابو جی کو اطلاع دی کہ روٹی تیار ہے۔ اگر فرماویں تو لے آؤں۔ ادھر بابو جی کو سندھیا یاد آئی۔ کہنے لگے۔ پانچ منٹ بیٹھ جاؤ۔ میں سندھیا کر لوں۔ چنانچہ انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ اور دو چار منٹوں میں دید منتروں سے پار ہو گئے۔ اوم شنائی۔ شنائی۔ کہہ کر نوکر سے کہا۔ اب روٹی لے آؤ۔ مگلا اس سندھیا سے کیا فائدہ۔ اس سے کیا سن کی شدھی ہوگی۔ اس سے من کی بہری کس طرح بند ہوں گی۔ یہ تو محض فرض ماننے کی غرض سے کی گئی ہے۔ سندھیا کرنے والے کے دل میں نہ تو دید منتروں پر شردھا ہے۔ اور نہ وہ ستکار سے سندھیا کرتا ہے۔

فارسی زبان کا ایک شعر ہے۔

گر تو قرآن بہ ایں منط خوانی

بہری رونق مسلمان

مطلب۔ ایک غلط طور پر قرآن کے پڑھنے والے سے شاعر کہتا ہے۔ کہ اگر تو اس طریقہ سے قرآن کو پڑھے گا۔ تو اسلام کی عزت بڑھانے کی بجائے اسے اور بھی گھٹا دے گا۔

ٹھیک یہی حال اُن سندھیا کرنے والوں کا ہے۔ جو محض فرض ماننے کی خاطر بیگار سمجھ کر بغیر شردھا اور ستکار کے سندھیا کرتے ہیں۔ اُن کی سندھیا باعثِ مستحضر ہو جاتی ہے۔ اور اس کے وہ خود ذمہ دار ہیں۔ دید منتز جن کا ایک ایک حرف پرمان یعنی سند ہے ایسے

لوگوں کے ویتیرے سے بے قیمت اور بے اثر ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی شان بڑھنے کی بجائے گھٹتی ہے۔ لہذا جب تک شرودھا اور ستکار بھاؤ نہ ہو۔ ابھیاس پھل نہیں لاسکتا۔

حیرانی تو اس بات کی ہے کہ پانچ منٹ کی بیگار کے طور پر سندھیا کرنے سے ہم ایک تو یہ سمجھ رہے ہیں۔ کہ ہم نے پرما تھا پر بڑا احسان کیا ہے۔ اور پھر حیران ہوتے ہیں۔ اور بعض اوقات کہہ بھی دیتے ہیں کہ دس سال سندھیا کرتے گذر گئے ہیں۔ مگر فائدہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ اس میں کوئی بھی حیرانی کی بات نہیں ہے۔ البتہ حیرانی تب ہوتی۔ اگر اس قسم کی سندھیا کرنے سے کوئی فائدہ ہو جاتا۔

شرودھا سے جو کام بھی کیا جائے۔ وہ نشپھل ہو جاتا ہے۔ شرودھا کے بغیر کوئی کام۔ کوئی نیکیہ۔ کوئی ہون۔ کوئی دان لا بھ دانک نہیں ہو سکتا۔ ہر کام میں شرودھا اور ستکار کی ضرورت ہے۔ ان کے بغیر وہ محض وقت گذاری والا معاملہ ہے۔

چنانچہ بھگوان شری کرشن چندر جی مہاراج شرمید بھگوت گیتا کے ستاویں ادھیائے کے آخر میں فرماتے ہیں۔

अश्रद्धया हुतं दत्तं तपस्तप्तं कृतं च यत् ।

असदित्युच्यते पार्थ न च तत्प्रेत्य नो इह ॥

۱۷ اشرودھیا۔ ہتہ۔ دتہ۔ تپس۔ تپتم۔ کرتم۔ چہ۔ یوت
۲۸ است۔ اتی۔ اچیت۔ پارہ۔ نہ۔ چہ۔ تپ۔ پرتیہ۔ نو۔ اہ

۱۔ اشرودھا سے ۲۔ ہون کرے ۳۔ دان دے ۴۔ تپ کرے ۵۔ جو کرے ۶۔ جھوٹا
۷۔ کہتے ہیں ۸۔ پرلوگوں میں ۹۔ اس لوگوں میں

ارکھ۔ ہے ارجن! بغیر شردما کے جو ہون کیا جائے۔ جو دان دیا جائے
جو تپ تپا جائے۔ غرض جو کچھ بھی کیا جائے۔ وہ سب اُست ہے۔
نہ اس کا اس لوک میں پھل ملتا ہے اور نہ پر لوک میں۔ شردھا سے
خالی جتنے بھی کام کئے جاویں۔ وہ بے کار ہیں۔ بے فائدہ ہیں۔ فضول
ہیں۔

اس لئے لازم آیا۔ کہ من کی لہروں کو روکنے کے ابھياس میں
شردھا ضرور رکھنی چاہیے۔ تب جا کر ابھياس پختہ ہوگا۔ اس کی جڑ
کی مضبوطی کے لئے ضروری ہے کہ ابھياس کو بے عرصہ کے لئے لگاتار
ادستکار کے ساتھ کیا جائے۔ ایسے ابھياس سے من جلدی قابو میں آ
جاتا ہے۔

اگلے مضمون میں من کے تپوں کا ذکر کیا جائے گا۔

ادم شمس

اوم شری پرما تمنے منہ

من کے تپ

من کی پرستنا - شانتی - مون - سینم - شدہ بھاو

پچھلے مضمون میں من کی چھٹنا کا ذکر کر چکے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی بتا چکے ہیں کہ من ابھياس سے ہی قابو میں کیا جاسکتا ہے۔

آج کے مضمون میں من کے تپوں کا ذکر کیا جاتا ہے یعنی کن کن ریاضتوں سے نفس امارہ قابو میں کیا جاسکتا ہے۔

شرمید بھگوت گیتا کے شارھویں ادھیائے میں بھگوان فرماتے

ہیں۔

मनः प्रसादः सौम्यत्वं मौनमात्मविनिग्रहः ।

भाव संशुद्धिरित्येतत्तपो मानसमुच्यते ॥

منہ پر سادا - سوم تپوم - موتم - آتم - و نگرہا
بھاو - شدھی - اقی - ایت - تپو - مانسم - اچیتے
ار تھ - ہے ار جن - من کی پرستنا - سو میتا - مون - آتم - سینم

۱ - من کے تپ ۲ - من کی پرستنا ۳ - موتم ۴ - آتم ۵ - نگرہا ۶ - اچیتے

اور کبیا دنا کی شدھی۔ یہ من کے تپ کہلاتے ہیں۔

ادھر کہے ہوئے پتوں میں سے ہم پہلے من کی پرستنا کو لیتے ہیں۔
من کا دھرم ہے سنکلیپ۔ وکلیپ۔ مثال کے طور پر من خواہش کرتا
ہے۔ کہ لاہور چل کر رنگ رلیاں منائیں۔ یہ خواہش من کا سنکلیپ ہے
پھر خیال آتا ہے۔ کہ گرمی کا موسم ہے۔ گھر سے باہر جانے سے تکلیف ہوگی
نہیں جانا چاہیے۔ یہ من کا وکلیپ ہے۔ ہر شخص کا من اسی سنکلیپ۔
وکلیپ میں لگا ہوا ہے۔ سنکلیپ وکلیپ کا چھوڑ دینا من کی پرستنا کہلاتی
ہے۔ جب تک من میں سنکلیپ اور وکلیپ کی لہریں اکٹھی رہتی ہیں من
کی چنگھلتا بنی رہتی ہے۔ لیکن جب یہ لہریں ختم ہو جاتی ہیں۔ جب ان کو
روک دیا جاتا ہے۔ تب من پرسن یعنی آئندہ سے ہو جاتا ہے۔ تب اسے
شانتي نصیب ہوتی ہے۔

راگ اور دولیش یعنی اُلفت و نفرت یہ بھی من کے ہی دھرم ہیں۔
کسی چیز کو من پسند کرتا ہے۔ اور کسی چیز سے نفرت کرتا ہے۔ یہ من
کے راگ و دولیش ہیں۔ ایک آدمی آپ کو خوب پسند کرتا ہے وہی
آدمی دوسرے کو بہت بُھا لگتا ہے۔ آدمی ایک ہے۔ ایک من اُسے
پیار کرتا ہے۔ دوسرا اس سے نفرت کرتا ہے۔ گویا ایک من میں اُس
آدمی کیلئے راگ پیدا ہوتا ہے۔ دوسرے میں دولیش اُپن ہو جاتا ہے
راگ (राग) اور دولیش (द्वेष) یہ کلش ہیں جو من
سے شُبھ اور اَشُبھ۔ اچھے اور بُرے کرم کرواتے ہیں۔ جب تک

من پر یہ کلیش لگے ہوئے ہیں۔ من پرتن نہیں ہو سکتا۔ تب تک من میں شانتی نہیں آ سکتی۔

راگ کی دیا کھیا یعنی وضاحت کرتے ہوئے شری پاتنجل مٹی جی مہاراج اپنے یوگ شاستر میں فرماتے ہیں۔

सुखानुशयो रागः

(سکھ - انشی - راگ)

یعنی سکھ کے پراپت ہونے کے بعد من میں جو چاہ یعنی خواہش بنی رہتی ہے۔ کہ اس کو وہی سکھ پھرے۔ اسی چاہ کا نام ہے راگ۔

ایک امیر آدمی دیکھتا ہے کہ دھن اس کی بڑی آؤ بھگت کراتا ہے جہاں وہ جاتا ہے۔ لوگ اس کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ لہذا دھن سے حاصل ہونے والے سکھ کو یاد کرنے سے اس آدمی کو دھن سے راگ ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے ہماری تعریف کر دی تو ہمیں خوشی محسوس ہوئی۔ اس تعریف کو یاد کر کے ہمیں تعریف کرنے والا شخص بہت اچھا لگتا ہے۔ ہمیں اس سے راگ ہو جاتا ہے۔

اگر کسی شخص نے ہمیں پرتکلف کھانا کھلا دیا۔ اس سکھ کو یاد کر کے ہمارے من میں اس میزبان کے لئے راگ پیدا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح دولیش **द्वेष** کی دیا کھیا یعنی وضاحت کرتے ہوئے پاتنجل مٹی جی مہاراج فرماتے ہیں۔

दुःखानुशयी द्वेषः

(دُکھ - اُنشی - دویش)

یعنی دُکھ کے حاصل ہونے پر اس کے پیچھے جو دُکھ کی یاد لگی رہتی ہے اور من کو ستاتی رہتی ہے اس کا نام دویش ہے۔ من چاہتا ہے کہ ایسا دُکھ اُسے کبھی بھی نصیب نہ ہو۔ من کو اس تکلیف سے - یا تکلیف پہنچانے والے سے دویش یعنی نفرت ہو جاتی ہے۔

مغسلی یعنی بزدل ہونے کی حالت میں آدمی کا جو بُرا حال ہوتا ہے جو اُس کی دُرگتی ہوتی ہے - اُس دُکھ کو یا دکر کے آدمی کو مغسلی سے دویش ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے ہمیں گالی دے دی یا ہماری بُندی کر دی - تو اس گالی یا بُندی سے جو تکلیف پہنچتی ہے - من اُس کو یاد کر کے کڑھتا رہتا ہے۔ اور گالی دینے والے سے دویش کر لیتا ہے۔ اُس وقت من چاہتا ہے کہ بُندی یا کرنے والے کا گلا گھونٹ لے یا اُنکو بس چلے تو اُسے کچا چبا کر اُس کا ناش کر دیوے۔

اگر کسی شخص کے ہم مہمان ہوئے اور اُس نے ہماری عزت نہ کی۔ بے پرواہی سے پیش آیا - یا ترسکار کر دیا - اور کھانا بھی اچھا نہ کھلایا اُس بے قدری کو یاد کر کے من میں اُس آدمی کے برخلاف دویش پیدا ہو جاتا ہے۔ جب کبھی بھی ہمیں اُس شخص کے رہنے کا موقع ملتا ہے۔ بھوگی ہوئی تکلیف کے سنسکار من میں پھر جاگ اُٹھتے ہیں۔ جس سے دویش پھرے

زندہ ہو جاتا ہے۔ اس دولیش کے اثر سے یا تو من چاہتا ہے کہ ایسے بُرے آدمی سے مل کر کیا لینا ہے۔ چلو۔ منہ ہی موڑ لو۔ یا یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ جس بقدر ری کا اس نے میرے ساتھ سلوک کیا تھا۔ مجھے بھی اب موقع ہے اس سے ویسا ہی سلوک کر لینا چاہیئے۔ تاکہ یہ بھی یاد رکھے کہ اس کا کسی مرد سے واسطہ پڑا تھا۔ یہ سب باتیں دولیش کی وجہ سے ہیں۔ کسی تکلیف کے اٹھا چکنے کے بعد من میں اس تکلیف کی جو یاد رہ جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے من اس تکلیف کے دوبارہ آ پڑنے سے گھبراتا ہے۔ اُسے دولیش کہتے ہیں۔

دو دلائل کا فرمان ہے۔ کہ راگ اور دولیش من کی دو لائیں ہیں اگر یہ دونوں لائیں کاٹ دی جائیں تو من چلنے پھرنے سے بیکار ہو جاتا ہے۔ اور اس کی چیختا ختم ہو جاتی ہے۔ راگ دولیش کے ہٹ جانے سے من عاجز ہو جاتا ہے۔ من کی بھاگ دوڑ ختم ہو جاتی ہے۔ پھر من کا قابو کر لینا ایک کھیل ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے نو سٹری بھگوان کرشن چند جی ارجن سے بار بار یہی اُپدیش کرتے ہیں۔ کہ ارجن! راگ اور دولیش کو چیت لو۔ یہ تمہارے خون کے پیا سے دشمن ہیں۔ چنانچہ بھگوت گیتا کے دوسرے ادھیائے میں بھگوان فرماتے ہیں۔

राग द्वेष वियुक्तैस्तु विषयानिन्द्रियैश्चरन् ।
आत्म वश्यैर्विधेयात्मा प्रसादमधिगच्छति ॥

راگ - دولیش - ویکٹیس - تو - دشیان - اندریش - چرن
 آتم - وشے - دوہیہ - آتما - پر سادھ - گھتی ۲/۴
 ارکھ - ہے ارجن - اور دولیش کو چھوڑ کر - تو وشیبوں میں
 اندیوں کا دیو پار کر - من کو قابو میں کر کے دشیبوں کو برتنا ہوا ہی آدمی
 ہمیشہ پرستن چت رہتا ہے - اس کا من وشیبوں کے اثرات سے بالاتر
 رہتا ہے -

اسی طرح اٹھارہویں ادھیائے میں بھی فرماتے ہیں -

रागद्वेषौ व्युदस्य च

(راگ - دولیش - ویو دسیہ - چا)

ویو دسیہ (व्युदस्य) لفظ کا مطلب ہے - ٹھکرانا - لات لگانا
 فرماتے ہیں - ہے ارجن ! جیسے لڑکا فٹ بال کو پاؤں سے ٹھکرانا
 ہے - مہیں بھی چاہیئے کہ راگ اور دولیش کو لات مارو - کیونکہ راگ
 اور دولیش کے جیتنے کے بغیر من کی پرستنا کا حاصل ہونا ممکن نہیں

ادوم شرم

اوم ہنری پر ماتے منہ

من کی پرستنا

پچھلے مضمون میں لکھ آئے ہیں کہ راگ اور دولیش
 द्वेष من کی دوٹانگیں ہیں۔ جن کی وجہ سے من میں ہلچل اور چمکتا
 رہتی ہے اگر ان دونوں انگوں کو کاٹ ڈالا جائے تو من کی حرکت
 بند ہو جائے گی۔ اس کی دور ڈھوپ ختم ہو جائے گی۔ من اچل ہو
 جائے گا۔ اور سکون یعنی شانتی حاصل ہو جاوے گی۔

راگ اور دولیش یہ انسان کے سب سے بڑے دشمن ہیں
 ان کا جیت لینا گویا مہم کا سر کر لینا ہے۔

شتر مید بھگوت گیتا کے تیسرے ادھیائے میں بھگوان فرماتے
 ہیں۔

इन्द्रियस्येन्द्रियस्यार्थे राग-द्वेषौ व्यवस्थितौ ।

तयोर्न वशमागच्छेत्तौ ह्यस्य परिपन्थिनौ ॥

اندرسیہ - اندر سیار تھے۔ راگ دولیش۔ دیو رستھنو
 تیرے نہ - دشمن۔ آگھ۔ ایتو۔ ہی۔ اسیہ۔ پری۔ پنیھنو

ارکھ۔ اندریوں اور ان کے دیشیوں میں راگ دولیش سہقت ہے
آدی کو چاہیے کہ کبھی اُن کے وشن میں نہ آ جاوے۔ کیونکہ یہ آدی کو
گمراہ کر دینے والے ہیں۔

اس شلوک کا یہ مطلب ہے کہ پانچ گیان اندریوں یعنی حواس
میں راگ اور دولیش موجود ہیں۔ اور اُن اندریوں کے دیشیوں میں بھی
راگ اور دولیش موجود ہیں۔ اس بارے میں مہانتا گاندھی جی اپنی پتکت
”اناسکتی یوگ“ میں لکھتے ہیں۔ کہ کان کا دیش ہے سُننا۔ چولپند
آتا ہے اُس کے سُننے کی اچھا ہوتی ہے یہ راگ ہے۔ اور جو بات
پسند نہیں آتی اُس کے سُننے سے نفرت ہوتی ہے یہ دولیش ہے
تو بھگوان فرماتے ہیں کہ منش کو چاہیے کہ راگ اور دولیش کے وشن
میں نہ آ جاوے بلکہ اُن کو مغلوب کرنا چاہیے۔ راگ اور دولیش آدی
کو دھرم کے راستے سے بھٹکا کر ادھرم کے راستے پر لے جاتے ہیں۔
اس لئے راگ اور دولیش کو چیت کر سم بھاو والا ہو جانا چاہیے۔ مہانتا
گاندھی جی فرماتے ہیں کہ آتما کا سو بھاو سکھ دکھ سے اچھوٹے رہنا
منش کو اس سو بھاو تک پہنچنا چاہیے۔

آتما سکھ دکھ سے بالاتر ہے۔ اس لئے بھگوان ارجن جی کو بار بار
یہی اُپدیش دیتے ہیں کہ دکھ اور سکھ جو اندریوں اور من کے دیش ہیں
ان سے بالا ہو جا۔ ان کو برابر سمجھ کر تو کشمشکش دنیا میں۔ کارزارِ جیت
میں۔ جیونِ مدھ میں۔ کرم کھیت میں کو دُپر۔ تمہیں پاپ ہرگز نہیں لگیگا۔

چنانچہ فرماتے ہیں۔

समदुःखसुखं धीरं सोऽमृतत्वाय कल्पते ।

سَم۔ دُکھ۔ سُکھ۔ دُھیرم۔ سو۔ اُمرت۔ تَوائے۔ کَلپتے ۱۵

اُرکھ۔ ہے ارجن! جو شخص دُکھ اور سُکھ میں یکساں رہتا ہے دُکھ میں دُکھی نہیں ہوتا اور سُکھ میں اُچھلنا نہیں۔ ایسا شخص موکھش کے لُگیہ بنتا ہے۔ نجات کا مستحق ہوتا ہے۔

یہ اوستھا بہت ہی اُدبچی ہے۔ عام طور پر تو یہ دستور ہے کہ لوگ خوشی میں اُچھلتے اور کُودتے ہیں اور غمی میں روتے اور چلاتے ہیں۔ یہ ہمارے اگیان کا نتیجہ ہے۔ یہ ہماری مورکھتا کی نشانی ہے۔ آتما خوشی اور غمی۔ سُکھ اور دُکھ کے دائرے سے باہر ہے۔ بھگوت گیتا میں ایک اور جگہ پر آیا ہے۔

समत्वं योग उच्यते

۲۸
سَمتم۔ یوگ۔ اُچیتے
اُرکھ۔ سَمتا یعنی یکسانیت کا ہی نام یوگ ہے۔ سَم بھادور کھنے والا منش ہی یوگی کہلاتا ہے۔

بادشاہ اکبر کے مشہور نورتن اور فارسی کے مشہور شاعر فیضی نے شرید بھگوت گیتا کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ اس ترجمہ میں اسی تعلق میں ایک شعر آتا ہے۔

۳۔ بکتی ۴۔ حقدار ۵۔ سمن بھاو ۶۔ یکسانیت

۷

دشا دی نہ شاداں نہ از غم غمیں

ہمان است در پیش من آدمی

ترجمہ۔ جو شخص خوشی میں شاداں نہیں ہوتا۔ اور غم سے غمگین نہیں ہوتا۔ دراصل وہی میرے نزدیک آدمی ہے۔ وہی مرد ہے۔

آدمی کا درجہ بہت اونچا ہے۔ اور جو شخص ستم بھاد والا نہیں ہے یعنی جس میں یکسانیت نہیں ہے۔ جو دکھ اور سکھ سے بالا نہیں ہوتا جس نے راگ اور دولیش کو ٹھکرایا نہیں۔ وہ پورا آدمی نہیں ادا ہوا ہے وہ جزوی آدمی ہے۔ وہ آدمی سے کمتر ہے۔

شری رام چندر جی مہاراج کو ایک دن اطلاع ملتی ہے کہ کل تم کو دلچ یعنی ولیعہد بنائے جاؤ گے مگر رات کی رات میں سارا کھیل بگڑ جاتا ہے اور رام چندر جی مہاراج کو چودہ سال کا بن باس مل جاتا ہے۔ کوئی معمولی انسان ہوتا تو زمین و آسمان سر پر اٹھالیتا اور خوب چہچہا کر کرتا مگر ان دونوں حالتوں میں سری رام چندر جی مہاراج کے چہرے کی رنگت میں کوئی بھی فرق نہ آیا۔ اور نہ ہی ان کے دل کی حالت میں کوئی تبدیلی ہوئی۔ اس واقعہ کی بابت لکھتے ہوئے گو سوامی تنیداس جی فرماتے ہیں

راج سنائے۔ دین بن باسو

سن من بھئیو۔ نہ ہرکھ۔ ہراسو

ترجمہ۔ راج سنا کر بن باس دے دیا۔ مگر ان دونوں خبروں کو سنکر

تو سہری رام چندرجی کو خوشی حاصل ہوئی۔ اور نہ مایوسی۔ وہ دونو صورتوں میں ہی یکساں رہے۔ سُم بھاد کو نہیں چھوڑا۔

یہ ہے اُو پنے درجہ کے انسانوں کا طرزِ عمل

چنانچہ ایک شاعر لکھتا ہے کہ جیسے سورج نکلنے وقت اور غروب ہوتے وقت دونو صورتوں میں یکساں چمک دمک والا ہوتا ہے۔ اسی طرح ستریشٹھ آدمی۔ اُو پنے انسان بھی دُکھ سکھ میں یکساں رہتے ہیں۔ وہ راگ اور دلش کے جال سے باہر ہیں۔ ان کے لئے خوشی اور غمی دونو برابر ہیں۔

سکھ منی صاحب میں گرو ارجن دیو جی ایسے آدمیوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

نیسا ہرکھ۔ نیسا اس سوگ

سدا آسندتاں ناہیں دیوگ

ارکھ۔ ستریشٹھ آدمیوں کو۔ یوگی جنوں کو جیسی خوشی ویسا غم ہوتا ہے۔ یعنی نہ وہ خوشی سے متاثر ہوتے ہیں۔ اور نہ غم سے۔ اُن کے ہاں ہمیشہ ہی آسند رہتا ہے۔ کیونکہ اُن کا آسند۔ ان کی شانتی باہر کے سکھ دُکھ کے اثرات سے فارغ ہے۔ وہ آتم بدیدی کو پا چکے ہیں۔ اور شادی و غم۔ ہر ش اور سوگ سے آزاد ہیں۔

سکھوں کے دسویں گرو۔ گورو گوہند سنگھ جی مہاراج کے چاروں لڑکے قوم پر قربان ہو گئے۔ جب رانی جی نے گورو جی مہاراج سے پوچھا

نہیں

نہیں

نہیں

راہے

تم کو

جاتا

فی

پکا

کی

تبدیلی

جی

کو

کہ میرے لال کہاں ہیں۔ تو آپ نے فرمایا ہے

چار موئے تو کیا ہوا جیویں لاکھ ہزار
ان پترن کے سہیں پر وار دیئے ست چار

ارکھ۔ گرد جی ہمارا ج نے اپنی رانی جی کو جواب دیا کہ ہے بھاگیہ دتی۔ ہے
خوش نصیب۔ کیا ہوا جو ہمارے چاروں لعل دھرم پر قربان ہو گئے ہیں
یہ جو لاکھوں کی تعداد میں سبک موجود ہیں۔ یہ بھی ہمارے لڑکے ہی ہیں۔
یہ سب ہمارے پتر ہیں۔ ان لاکھوں پتروں کے سر پر سے میں نے اپنے
چار لعل۔ اپنے چار پتر وار دیئے ہیں۔ بچھا ور کر دیئے ہیں۔ ہے دھرم موت
اس سے بڑھ کر اور ہمارے لئے کیا خوشی ہو سکتی ہے۔

یہ ہے یکسانیت کی مثال کہ ایک نہیں۔ دو نہیں۔ تین نہیں۔ بلکہ
چاروں لڑکوں کے بلیدان سے بھی گورد گوبند سنگھ جی ہمارا ج
کے دل کی شانتی میں کوئی بھی فرق نہیں آیا۔ اور فرق کیونکر آتا۔ آتما
راگ اور دولیش۔ سکھ اور دکھ کے احساس سے اونچا ہے اور آتم
پڑوی کو پہنچے ہوئے لیوگی دنیاوی سکھ دکھ کو محض کھیل سمجھتے ہیں۔
وہ ان سے پار ہو چکے ہیں۔

ادم ششم

اوم ستری پرمانتے منہ

دیکھنے کو نوجواں ہوں طفلِ ناداں میں بھی ہوں

من کے تپوں کا ذکر کرتے ہوئے پچھلے مضمون میں لکھ آئے ہیں کہ سم بھاو یعنی یکسانیت کو ہی لوگ کہتے ہیں۔ یوگی دہی ہے جو سکھ اور دکھ گرمی اور سردی۔ مان اور اپمان میں یکساں رہتا ہے۔ سکھ کی خواہش نہیں رکھتا۔ اور دکھ سے ویاکل نہیں ہوتا۔ جو ہر حالت میں ایک سا رہتا ہے۔ دہی سچے معنوں میں یوگی ہے۔

چنانچہ اسی سلسلے میں دو مثالیں بھی پڑھنے والوں کی سیوا میں پیش کی گئی ہیں۔ ستری رام چندر جی کے لئے راج اور بن باس یکساں ہیں راج کے ملنے پر انہیں خوشی نہیں اور راج کی جگہ بن باس کا حکم ہو جانے پر کوئی غم نہیں۔ دونوں صورتوں میں ان کے دل کی حالت میں کوئی بھی فرق نہیں آیا۔

اسی طرح گوردو گو بند سنگھ جی ہا راج اپنے ہی ماتحتوں سے اپنے چاروں پتروں کو دھرم پر قربان کر دیتے ہیں۔ اور ذرا بھی دکھی نہیں ہوتے۔ بلکہ پرمانتا کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ ان کا دیا ہوا قرض ادا ہو گیا۔ یہ ہے سم بھاو۔ یہ ہے یکسانیت کی مثال۔ یہ ہے سچا یوگ۔

یوگی کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے سکھوں کے لوہے گورد گوردین

بہادر جی مہاراج فرماتے ہیں

جوڑ دھک میں دھک نہیں مانے سکھ سینھ اور بچے نہیں جانے
کنچن مائی مانے

نہ دنیا نہ اُسنت جاں کے لوبھ - سوہ - ابھسناں

ہرکھ - سوگ تے رہے نیارا ناہیں - مان - اپسناں

ارکھ - فرماتے ہیں کہ یوگی وہی ہے جو دھک میں دھکی نہیں ہوتا جس کو سکھ کی اچھا نہیں جس میں نہ کسی سے سوہ ہے اور نہ کسی کا ڈر ہے جو شخص سونے اور مٹی کو برابر سمجھتا ہے جو اپنی تعریف سے خوش نہیں ہوتا اور دنیا یعنی شکایت سے اُداس نہیں ہوتا جس نے لوبھ سوہ اور ابھیمان یعنی غرور چھوڑ دیئے ہیں جو شخص ہرکھ - سوگ یعنی خوشی اور غمی دونوں سے آزاد ہے جس کے لئے مان اور اپمان - عزت اور بے عزتی برابر درجہ رکھتی ہیں - ایسا شخص یوگی ہے -

آگے چل کر فرماتے ہیں

آسا - منسا - سگل تیا گے جگ تے رہے نراسا

کام کرودھ - جھے پڑے ناہیں تے گھٹا برہم نواسا

ارکھ - جو شخص سب آشاہیں اور اُمیدیں تیاگ دیتا ہے اور دنیا سے بے تعلق ہو کر رہتا ہے جس کو غصہ اور استری کا پیار نہیں چھو سکتا - ایسے شخص کے ہر دے میں برہم نواس کرتا ہے -

یہ اوصاف فقط خالی باتوں کے طور پر نہیں لکھے گئے۔ یہ صرف شاعر نے
تخیل ہی نہیں۔ بلکہ گورو تیغ بہادر جی نے اپنے جیون سے۔ اپنی بے مثال
قربانی سے انہیں غریبوں کا عملی طور پر ثبوت دے کر دنیا پر واضح کر دیا
کہ یوگی لوگ کس طرح زندگی کو گزارتے ہیں۔ اور موت کو ایک کھیل
سمجھتے ہیں۔

اس مضمون کے پڑھنے والے اپنے دل میں جھانک کر دیکھیں
کہ اُن کے اندر اوپر لکھے ہوئے اوصاف میں سے کون کون سے
وصف موجود ہیں۔ اپنے اندر نظر ڈالنے سے پتہ چل سکتا ہے کہ ہم تو
بچوں کی طرح زندگی گزارتے ہیں۔ آشاؤں اور اُمیدوں کے جال
میں جکڑے ہوئے ہیں۔ موہ کی دلدل میں بُری طرح پھنسے ہوئے
ہیں۔ اور خوبی یہ کہ اپنے آپ کو دھوکا دے کر آزاد سمجھے بیٹھے ہیں
حالانکہ روز بروز موہ کی کچھڑ میں پہلے سے بھی زیادہ پھنسے چلے جا رہے
ہیں۔ پہلے بیوی کا موہ تھا۔ اب بیوی کے ساتھ بیٹے کا بھی موہ دامنیگری
کچھ سال گزرنے پر اس موہ پر اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور بیٹے کے
ساتھ پوتے کا موہ بھی شامل ہو جاتا ہے۔

چھوٹے بچے کھلونوں کے مل جانے پر خوش ہو جاتے ہیں۔ اور کھلونوں
کے کھوئے جانے پر بیچ دیکار کرتے ہیں۔ پھر دروازہ کی کُنڈی کے کھٹکھٹانے
سے چُپ کر جاتے ہیں۔ عین یہی حال ہمارا ہے۔ دنیا کی لذات ہمیں
بہت قیمتی نظر آ رہی ہیں۔ ہم بے شمار خواہشیں اپنے دل میں لئے بیٹھے

ہیں۔ اگر ہماری خواہش پوری ہو گئی۔ تو ہم خوش ہو جاتے ہیں۔ اور اگر خواہش پوری نہ ہوئی تو ہماری مایوسی کی کوئی حد نہیں رہتی۔ یہ ہماری جہالت کی نشانی ہے۔ یہ ہمارے اکیان کی وجہ سے ہے۔ یہ ہمارا بچپنا ہے۔ اسی خیال کو لے کر سر محمد اقبال اپنی ایک غزل میں ایک بچے

سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں ۵
تیری صورت گاہِ گریاں گاہِ خنداں میں بھی ہوں
دیکھنے کو نوجواں ہوں طفلِ نادان میں بھی ہوں

ترجمہ۔ شاعر کہتا ہے کہ اے نادان بچے! میں بھی تیری ہی طرح نادان ہوں کبھی روتا ہوں۔ اور کبھی ہنستا ہوں۔ آرزو کے پورا ہو جانے پر تو مجھے میں پھولا نہیں سماتا۔ اور اپنی خواہش کے اُلٹ ہو جانے پر اُداس ہو جاتا ہوں۔ گویا ہر طور پر میں تم سے عمر میں بڑا ہوں مگر میری عادات و اطوار تجھ جیسی ہی ہیں۔ قد بڑا ہے مگر من بچوں کا سا ہے۔ دُنیا میں بچاؤ کے فیصلے انسان ایسے ہیں جن پر یہ شعر ٹھیک طور پر عائد آتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا من ہمارے قابو میں نہیں ہے۔ من میں سم بھاؤ اور سم درشتی نہیں ہے۔ من میں یکسانیت نہیں ہے ہم نے من کو نہیں جیتا بلکہ من ہمارے اوپر غالب آ گیا ہے۔ اور ہمیں قسم قسم کے ناچ بجاتا ہے۔ کبھی رُلواتا ہے اور کبھی ہنساتا ہے۔ گو حقیقت میں ہمارا رونا اور ہنسا دونوں بے معنی ہیں۔ یہ دونوں بچوں کے

رونے اور ہنسنے کے برابر ہیں۔ نہ اُن کے رونے اور ہنسنے میں کوئی وجود ہوتا ہے۔ اور نہ ہی ہمارے رونے اور ہنسنے میں کوئی وجود ہے۔

اسی واسطے مشری بھگوان کرشن چندر جی مہاراج بھگوت گیتا میں ارجن سے یہی آپدیش کرتے ہیں کہ ارجن! ہر حالت میں اپنے من کو پرسن یعنی خوش رکھو۔ من کی پرستنا سب دنیاوی دکھوں کو ختم کر دیتی ہے۔ چنانچہ بھگوت گیتا کے دوسرے ادھیائے میں فرماتے ہیں۔

प्रसादे सर्वदुःखानां हानिरस्योपजायते ।

प्रसन्नचेतसो ह्याशु बुद्धिः पर्यवतिष्ठते ॥

پرسادے۔ سرور۔ دکھا نام۔ ہائی۔ اسیہ۔ آپ جانتے

پرسن چیتسا ہی۔ آشنو۔ بدھی۔ پرہ۔ و تشھتے ۲۵

ارکھ۔ ہے ارجن! چیت کے پرسن ہونے سے اس کے سب دکھوں کا ناش ہو جاتا ہے۔ جس کا چیت پرسن ہے جس کا من شانت ہو گیا ہے۔ اس کی بدھی تت کال فی الفور سہج ہو جاتی ہے۔ قائم ہو جاتی ہے۔ بھیر جاتی ہے وہ دکھ کے احساس سے بالا ہو جاتی ہے۔

اسی واسطے شری بھگوت گیتا کے ستارہوں ادھیائے میں من کے پتوں کا ذکر کرتے ہوئے بھگوان من کی پرستنا کو ہی سب سے پہلا پتہ بتلاتے ہیں۔

ادم شم

۱۔ پرستنا ۲۔ سب ۳۔ دکھوں کی ۴۔ ناش ۵۔ ہوتا ہے ۶۔ بھیر جاتی ہے

ادم بشری پر دامن منہ

شانتی اور مومن

من کے پتوں کا اُپدیش کرتے ہوئے بھگوان فرماتے ہیں۔

मनः प्रसादः सौम्यत्वं मौनमात्मविनिग्रहः॥

(منہ - پرسادا سوم ایوم - مؤنم - آتم - و نگرہا) $\frac{16}{14}$

ارکھ - من کی پرسنتا - سوم بھاو - مؤن اور آتم سنیم - یہ من کے تپ ہیں۔

ان پتوں میں سے من کے پہلے تپ پرسنتا کا ذکر پہلے مضمونوں میں کیا جا چکا ہے۔ اس مضمون میں باقی پتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

من کی پرسنتا کے بعد دوسرا تپ - سوم ایوم **سوم** **سوم** کے معنی ہیں چاند - سوم ایوم کے معنی ہیں - چاند سے سو بھاو والا۔

چنانچہ سنسکرت میں آیا ہے۔

सोमस्य भावः सौम्यम् (سوم بھاو - سویم)

یعنی چاند کے سوبھاؤ کو ہی سومیتا **سومیتا** کہتے ہیں۔
 عام مشاہدے کی بات ہے کہ چاند کا سوبھاؤ ٹھنڈک پہنچانا ہے
 جب چاندنی رات کو چاند کی کرنیں جسم پر پڑتی ہیں۔ تو جسم ٹھنڈا ہو جاتا
 ہے۔ چاند کی چاندنی سے طبیعت بہت خوش ہوتی ہے اور من شات
 ہو جاتا ہے۔

چاند کی صفت والا ہو جانا۔ یہ من کا دوسرا نپ ہے یعنی خود ٹھنڈا
 رہنا اور دوسروں کو بھی ٹھنڈک پہنچانا۔ جس کے من میں یہ دونو خوبیاں
 آگئی ہیں۔ اُس نے مانسک ٹپ کر لیا ہے۔ وہ تپسوی ہے۔
 اپنا من تب ٹھنڈا رہ سکتا ہے۔ جب یہ سکھ۔ دکھ۔ گرجی مردی۔
 عزت۔ بے عزتی۔ شہرت۔ بے شہرتی کے (دھند) (دوند سے آزاد
 ہو۔ ان متضاد حالتوں میں یکساں رہنے والا من ہی ہمیشہ ٹھنڈا رہ سکتا
 ہے۔

چنانچہ بھگوان بار بار یکسانیت ہی کی ہدایت کرتے ہیں۔ چودھویں
 ادھیائے میں فرماتے ہیں۔

तुल्यप्रियाप्रियो धरिस्तुल्यनिन्दात्मसंस्तुति॥

تُلیہ۔ پُریا۔ اُپریو۔ دھیر۔ تلیہ۔ نندا۔ اتم۔ سنستی ۱۴/۱۴

ارکھ۔ ہے ارجن! جو شخص پیاری اور نہ پیاری۔ اچھی اور بُری چیز
 کے ملنے پر یکساں رہتا ہے۔ جو بدمیہماں اپنی زندیا اور اُستتی یعنی

۱۔ تعریف ۲۔ بکری ۳۔ بکری ۴۔ بکری ۵۔ حوصلہ والا ۶۔ اپنی ۷۔ تعریف

تعریف اور شکایت کو برابر سمجھتا ہے وہ گن آیت ہے اُس نے ست۔
 رَج - تم بہن گنوں کو پار کر لیا ہے۔
 اگلے شلوک میں فرماتے ہیں۔

मानापमानयोस्तुल्यस्तुल्यो मित्रारिपक्षयोः।

مان - اہمان - یو - تلیہ - تلیو - ہتر - آری - پکھشیو ۱۴/۲۵

ارکھ - جو شخص مان اور اہمان میں سم رہتا ہے۔ یعنی عزت ہونے پر اکرے نہیں۔ اور بے عزتی ہونے پر دکھی نہیں ہوتا۔ جو دشمن اور دوست کے پکھش میں تلیہ رہتا ہے۔ یعنی اپنے توازن کو نہیں کھودیتا جو دوست اور دشمن دونوں سے یکساں طور پر انصاف کرتا ہے۔ ایسا آدمی یوگی ہے۔ اُس نے پرکرتی کے بندھنوں سے رہائی پائی ہے وہ گن آیت ہو چکا ہے۔

جب انسان میں دکھ سکھ - گرمی سردی میں برابر رہنے کا بھاد آجاتا ہے۔ تب جا کر وہ اپنے من کو ہر حالت میں ٹھنڈا رکھ سکتا ہے۔ ایسے شخص کو غصہ کبھی نہیں آتا اور نہ لالچ اُسے گرا سکتا ہے۔ اس کے ہر دے میں ہر وقت چاندنی کی سی ٹھنڈک موجود رہتی ہے۔ ایسا شخص جہاں خود ٹھنڈا رہتا ہے۔ وہاں دوسروں کو بھی ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔ اُس کے منہ سے جو پریم بھرے شبد نکلتے ہیں۔ وہ بڑے سے بڑے غصہ کو کا فور کر دینے والے ہوتے ہیں۔ وہ گویا غصہ کی آگ پر ٹھنڈے پانی کا کام کرتے ہیں۔

جہاں ایسے شخص موجود ہوں۔ وہاں کا واپو منڈل بھی ٹھنڈا محسوس ہوتا ہے۔ چاند کی کرنوں کی طرح اور چندن کی طرح یہ لوگ اپنے من کی ٹھنڈک دوسرے آدمیوں میں بانٹتے پھرتے ہیں۔ اور ان کے کلیجوں کو ٹھنڈک پہنچاتے ہیں۔

سوم بھاو کے بعد من کا تیسرا تپ ہے۔ مومن **मौनम्** یعنی خاموشی۔ چپ۔ کم بولنے کی عادت۔

مون دھارن کرنا بھی من کا تپ کہا گیا ہے۔ اس سے من کی شکنیں بڑھتی ہے۔

عام تجربہ کی بات ہے کہ زیادہ بولنے سے دماغ ٹھک جاتا ہے، بلکہ بعض اوقات بالکل خالی محسوس ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بولنے میں دماغ کی طاقت خرچ ہوتی ہے۔ کم بولنے سے یہ طاقت بچ رہتی ہے۔ اور من کی شکنیں کھڑھانے والی ہوتی ہے۔

مون کے معنی مٹی سو بھاو کے بھی ہیں۔ مٹی لوگ بہت ہی کم بولتے ہیں۔ اور جب منہ کھولتے ہیں۔ تو ان کی زبان سے ہیرے اور جواہرات سے بھی بیش قیمت لفظ ٹپکتے ہیں۔

مقوڑا بولنا بڑے ضبط کی بات ہے۔ انگریزوں میں یہ بڑی بھاری خوبی ہے کہ وہ بہت کم بولتے ہیں۔ دوسرے لوگوں کی باتیں سنتے ہیں۔ اور اپنے دل میں دچارتے رہتے ہیں۔ اس کے برعکس ہندوستانی تو بے حد بولنے کے عادی ہیں۔

انگریزوں کی کسی سبھا میں جا کر دیکھا جائے تو پتہ چلیگا کہ کس طرح ہر شخص سلیقہ سے باری باری بات کرتا ہے۔ ایک سے زیادہ آدمی کبھی بھی بولتے ہوئے نہیں پائے جاتے گے۔ اس کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ہر شخص دوسرے کے خیالات کو سن کر اور امن پر غور و خوض کر کے اپنے و چار دوسروں پر غور کرتا ہے۔

برعکس اس کے ہندوستانی سبھا میں تو عجیب ہی حالت ہوتی ہے۔ ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ میری بات سب سے پہلے سنی جائے۔

چنانچہ چھ سات آدمی بیک وقت گلا پھاڑ پھاڑ کر بولتے جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بولنے والے تھک جاتے ہیں۔ مگر پہلے کسی کے کچھ نہیں پڑتا۔ کیونکہ کسی نے بھی دوسرے کی بات کو نہیں سنا۔ یہ گس قدر خامی کی بات ہے۔ تھوڑا بولنے والا شخص ایک تو تھکتا نہیں۔ دوسرے اس کی بات کی بڑی قدر ہوتی ہے۔ لوگ جانتے ہیں کہ پھر اس نے منہ نہیں کھولنا۔ اس کے لفظوں کو غور سے سن لیں۔ لہذا تھوڑا بولنے والے آدمی کی باتوں کو لوگ بڑے دھیان سے سنتے ہیں۔ اور اس سے قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مہکوان نے نمون کو من کا تپ قرار دیا ہے۔

مہکوت گیتا کے دسویں ادھیائے میں بھی اپنی وہ بھوتیوں کا ذکر کرتے ہوئے مہکوان فرماتے ہیں۔

मौनं चैवास्मि गुह्यानाम्

(مومن - چاسی - گوہیا نام)

ارکھ - گپت گیاؤں میں مومن میں ہوں -
گو یا مومن کو پرمانہ کی ایک دھجوتی بتلایا گیا ہے -

اوم شرم

اوم شری پرما تنے منہ

من کو دوش میں کرنے کا سا دھن

من کے تپ کا ذکر کرنے ہوئے پچھلے مضمون میں لکھ آئے ہیں کہ من کو ہر وقت ٹھنڈا رکھنا اور کم بولنا یہ من کے تپ ہیں۔ اس سے انسان کے من کی شکلی بڑھتی ہے۔ من یعنی کم بولنے کی عادت کو تو پر عاتقا کی دھوتی جتنا یا گیا ہے۔

جہاں پُران میں آبا ہے کہ سوموار کو من دھارن کرنے والا انسان ستیہ لوک کو جاتا ہے۔

جہاں گا ندھی جی بھی سوموار کے روز من دُرت دھارن کیا کرتے ہیں اس دن وہ کسی سے نہیں بولتے۔ ہفتہ کے باقی چھ دن بھی بہت ہی کم بولنے کے عادی ہیں۔ جہاں جی کے مانک بل کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ جہاں پر پتوں کا ڈھیر ہو۔ وہاں پھل پھوٹا ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح جہاں لفظ کثرت سے ہوں وہاں مطلب پھوٹا ہوتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ ایسی گفتگو کرے جس میں الفاظ تو پھوٹے ہوں مگر معنی زیادہ ہوں۔ جس میں چھلکا پھوٹا ہو اور مغز زیادہ ہو۔ ایسے آدمی کی گفتگو دل میں فوراً جگہ کر لیتی ہے۔ ایسی تقریر اثر سے بھری ہوئی ہوتی ہے۔

کم بولنے کی عادت کی تعریف کرتے ہوئے شیخ سعدی صاحب اپنی کتاب
گلستان میں لکھتے ہیں :-

سخن دان، پروردہ پیر کہن

بیندیشد - آنگہ بگوید سخن

ترجمہ - تجربہ کار - پختہ آدمی پہلے سوچتے ہیں - اور بعد میں تقریر کیلئے
اپنا منہ کھولتے ہیں -

یہ نہیں کہ جو کچھ پہلے پہل دل میں آیا - بغیر سوچے سمجھے فوراً اُگل کے
رکھ دیا - بغیر پہلے اچھی طرح سوچ لینے کے زبان کھولنا دانشمندان کا کام
نہیں ہے - بلکہ آدمی البتہ ایسا کرتے ہیں -

چنانچہ اسی موضوع پر ایک اور شعر ہے - فرماتے ہیں :-
مزنِ یے تماثلِ بگفتارِ دم

نکو گوئی - گردیر گوئی - چہ منم

مطلب - بغیر پہلے سوچ سمجھ لینے کے بات مت کرو - جب تمہاری گفتگو
سُلمبی ہوئی ہے - تو اس بات میں ہرگز کوئی مضائقہ نہیں کہ تم نے بات
کے کرنے میں دیر لگائی ہے -

ویسے بھی اگر غور کی نظر سے دیکھا جائے تو ہر شخص کو قدرت نے جہاں
ایک زبان دی ہے وہاں کان دو عطا کئے ہیں - اس سے قدرت کا یہ مقصد
ہے کہ آدمی دو باتیں سُننے اور ایک کہے مگر ہمارے بھائیوں کا تو یہ دستور ہے
کہ سُناتے دس ہیں اور سُننے ایک ہی نہیں - اس انداز سے ہلکا پھین ٹپکتا ہے

بھاری۔ وزن دار۔ دانشمند۔ گھمبیر آدمی تو دس باتیں سننے ہیں اور مشکل سے ایک بات منہ سے کہتے ہیں۔ مگر بات ایسی سچے کی کہتے ہیں کہ سننے والے دنگ رہ جاتے ہیں۔

تھوڑا بولنے سے ایک تو گفتگو پراثر ہو جاتی ہے۔ دوسرے من کی شگتی بے حد بڑھ جاتی ہے۔ لہذا پڑھنے والوں سے یہ پرارھنا ہے کہ ایک مہینہ خود تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ اُن پر روشن ہو جائے گا کہ مون دھارن کرنا کس قدر مفید ہے۔ اس لئے تو شرمید بھگوت گیتا میں مون مائن کو من کا تپ کہہ گیا ہے۔

مائن (مون) کے بعد من کا چوتھا تپ ہے: **आत्मविनिग्रहः** آتم ونگر یا یعنی آتم سیتھ **आत्मसंयम** یعنی من کو دوش میں لانا۔ سیتھ **संयम** لفظ بہت وسیع ہے۔ اس کے ارتھ بھی بہت وسیع ہیں۔

ہا تنخل منی جی مہاراج اپنے یوگ شاستر میں فرماتے ہیں کہ دھارنا **धारणा** - دھیان **ध्यान** اور سما دھی **समाधि** یہ تینوں بلکر سیتھ **संयम** کہلاتے ہیں۔ چنانچہ یوگ شاستر کا سوتر ہے۔

त्रयमेकत्र संयमः

(تربیم) - ایکتر۔ سیتھا

ارتھ - دھارنا۔ دھیان اور سما دھی۔ یہ تینوں بلکر سیتھ **संयम** کہلاتے ہیں۔

دھارنا **धारणा** کے ارتھ ہیں۔ دھارنا کرنا۔ روکنا۔ چنانچہ پانتھلی جی خود دھارنا کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

देशबन्धश्चित्तस्य धारणा

دلش۔ بندھش۔ چت^۳۔ اسیہ۔ دھارنا

ارتھ۔ چت کا ایک جگہ پر روک دینا دھارنا کہلاتا ہے۔ من کو ایک مقام پر ٹکا دینا۔ من کو ایک نقطہ پر پھیرا دینا دھارنا **धारणा** کہلاتا ہے۔

عام حالت میں ہمارا من سارے جسم میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کا تعلق سب اندریوں سے ہے۔ آنکھوں سے مل کر یہ دیکھتا ہے۔ کانوں سے بلکہ یہ سنتا ہے۔ ناک سے بلکہ یہ سونگھتا ہے۔ اور جسم کے چمڑے سے ملکر یہ سردی اور گرمی کو محسوس کرتا ہے۔ اس پھیلے ہوئے من کو ایک مقام پر روک دینے کا نام دھارنا **धारणा** ہے۔ اس کو ایسا کرتا بھی کہتے ہیں۔ یعنی من کا اکٹھا کرنا۔ پھیلے ہوئے من کو ایک مرکز پر لے آنا یا انگریزی میں اسے *concentration* کہتے ہیں۔

جب دھارنا پختہ ہو جائے۔ تو اس کو دھیان کہتے ہیں۔ دھیان کے بعد سادھی کا درجہ ہے۔ جس میں من بیرونی دنیا سے ہٹ کر اندر کی رچنا کو دیکھتا ہے۔ اور اس کو آواز بھوکرتا ہے۔

دھارنا۔ دھیان اور سادھی یہ من کے تپ کہلاتے ہیں۔ ان کے ابھیس سے من کی چمپنا بند ہو جاتی ہے اور من سدھاٹے ہوئے گھوڑے کی طرح کوچوان کے اشارے پر آرام سے چلنے لگتا ہے۔ اور روحانی

منزل طے کرنے میں بے حد سفید رہتا ہے۔
جس طرح سے شریہ۔ اُن سدھا گھوڑا ٹانگے کے لئے اور سواروں
کے لئے خطرے کا سامان ہوتا ہے۔ اسی طرح سے چنچل من یعنی وہ من جو ابھی
قابو میں نہیں لایا گیا۔ انسان کے لئے خطرے کا سامان ہے۔ چنچل من انسان
کی گراوٹ کا باعث ہوتا ہے۔ لیکن جب گھوڑا سدھا جاوے تو وہ منزل کو
گفتگو میں طے کر کے رکھ دیتا ہے۔ بالکل ہی حالت من کی ہے۔ جس تیزی
سے چنچل من انسان کو نیچے گراتا ہے۔ اتنی ہی تیزی کے ساتھ سدھا یا ہوا
من۔ دوش میں کیا ہوا من۔ انسان کو اوپر کے روحانی طبقوں میں لے
جاتا ہے۔

کھٹ آپ نشد میں آیا ہے۔

मनसैव इदमाप्रव्यम्

(من سبب۔ ادم۔ آپتویم)

ارکھ۔ پرمانا من کر کے ہی پراپت ہوتا ہے۔

لہذا من اگر قابو میں ہے تو پرمانا تک لے جاتا ہے۔ اگر بے قابو
ہے اور چنچل ہے تو نزک اور پاتال تک بھی پہنچا دیتا ہے۔ اس لئے
سب شاستری ہی ہدایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے من کو قابو میں کرنا
چاہیئے۔ جب تک یہ قابو نہیں ہوتا۔ روحانی ترقی ناممکن ہے۔

ادم شمس

ادم شری پرماننے منہ

پریم کلی اتی سانکڑی۔ اسمیں 'و' نہ سماہیں

پچھلے صفوں میں بتا چکے ہیں کہ من کی ایکاگرتا **एकाग्रता** من کا بڑا بھاری ٹپ ہے۔ اسی کو آتم سینم **संयम** بھی کہتے ہیں۔ سارے جسم میں پھیلے ہوئے من کو دونوں آنکھوں کے درمیان کی جگہ پر لکھنا کر لین۔ اس کو من کی ایکاگرتا: **एकाग्रतः** کہتے ہیں۔ لوگ بھی اسی کا ہی نام ہے۔ یہ تپ واقعی مشکل ہے۔

لوگ عام طور پر کہہ دیتے ہیں کہ سندھیا اور پراٹھنا میں من نہیں لگتا۔ یہ من بڑا چیخل ہے۔ بندر کی طرح کو دنا اور بھانڈا ہے۔ البتہ بڑے کاموں میں اکٹھا ہو جاتا ہے۔ سینما کے کمرے میں من کی دوڑ دھوپ ختم ہو جاتی ہے اگر گھر پر بیمار بیوی یا بچہ چھوڑ گئے ہیں تو انکو بھی بھول جاتے ہیں۔ جو آکھیلنے میں تو من فوراً اکٹھا ہو جاتا ہے۔ اور اس کی ساری چیختا ختم ہو جاتی ہے۔ اس وقت ایسے معلوم ہوتا ہے گو یا من میں چیخل سو بھاو بالکل ہے ہی نہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ آجکل بھی من ایکاگر ہو جاتا ہے مگر اُلٹے کاموں میں۔ جوئے میں من ایکاگر اور سندھیا میں چیخل۔ من وہی ہے لیکن جو کام اس

کو پسند ہے اس میں تودہ ایکاگر **एकाग्र** ہو جاتا ہے۔ جو کام اُسے پسند نہیں ہے۔ اس میں چنچل اور بیقرار ہو جاتا ہے۔ آج کل لوگوں کی رغبت بڑے کاموں کی طرف زیادہ ہے۔ اس لئے اُن کاموں میں اُنکے بھی لگ جاتا ہے۔ نیک کاموں میں رغبت کم ہونے کی وجہ سے من بھی اُن میں نہیں لگتا۔ لہذا من کو ایکاگر کرنے کا ایک طریقہ یہ ہوا کہ سندھیا وغیرہ میں اس کی سچی رغبت پیدا کی جائے۔ پھر من اپنی چنچلتا چھوڑ دے گا۔ رغبت پیدا کرنے کا سب سے اچھا رستہ ابھیا س ہے۔ ایک کام کو بار بار کرنے سے وہ کام آسان ہو جاتا ہے۔ اور اس میں آہستہ آہستہ رغبت بڑھ جاتی ہے۔ پھر من مانوس ہونا جاتا ہے اور بیٹھنے لگ جاتا ہے۔

شرمید بھگوت گیتا کے چھٹے ادھیائے میں من کو ایکاگر کرنے کی ددھی بتلائی گئی ہے۔ اسی وجہ سے اسی ادھیائے کا نام بھی آتم سیتھ **योग** **आत्म संयम** رکھا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں آتما کے سیتھ **संयम** کرنے کا طریقہ بتلایا ہوا ہے۔

بھگوان فرماتے ہیں کہ پرتھستھان میں اپنا آسن لگاؤ۔ یہ آسن نہ تو بہت اونچا ہو۔ اور نہ بہت نیچا ہو۔ اگر ہو سکے تو آسن پر ہرن کی کھال بچھی ہوئی ہو۔ اور اس پر کھدرا کا پٹرا ہو۔ آسن کے بارے میں سب سے ضروری بات یہ ہے کہ وہ سہتر ہو۔ یعنی بے جملے نہیں۔ اگر آسن سہتر نہ ہو گا تو من کی سہترتا بھی مشکل ہو جائیگی جسم کے قائم ہو جانے سے جسم کے بے حرکت ہو جانے سے ہی من کو بے حرکت کیا جاسکتا ہے۔ سہتر آسن کے بغیر اُپاسنا وغیرہ نہیں

ہو سکتی۔

چنانچہ پانچجلستی جی بھی یوگ شاستر میں فرماتے ہیں۔

स्थिर सुखमासनम्

(سہقر آسٹھم آسنم)

اگر کھڑے۔ یوگی ایسے آسن پر بیٹھ کر ابھیا س کرے جس سے اُسے سہقر
ریتی سے سکھ معلوم ہو۔ یعنی آسن پہلے جلتے نہیں اور بیٹھنے والے کا طریقہ ایسا
ہو کہ اُسے بیٹھنے میں کشت نہ ہو۔ اگر بیٹھنے میں کوئی تکلیف ہوگی تو من کی چڑی
تو اس تکلیف میں چلی جاوے گی۔ ابھیا س نہیں ہو سکے گا۔
سہقر آسن کے بارے میں دیاسنی جی مہاراج کا بھی دیدانت شاستر
میں ایک سونز ہے۔

आसीनः सम्भवात्

(آسینا سمبھوات)

یعنی بیٹھ کر ہی آپاسنا کرنی چاہیئے۔

من کو جسم سے الگ ہے تاہم جسم کے چلنے چلنے سے من بھی اسقدر
ہو جاتا ہے۔ لہذا جسم کا سہقر رہنا من کی سہقر تاکہ لے ضروری ہے۔
آگے چل کر شری کرشن چندر جی مہاراج فرماتے ہیں کہ ابھیا س
کرنے والا پیٹھ کی ہڈی۔ گردن اور سر کو ایک سیدھ میں رکھ کر پچھل ہو کر آسن
پر بیٹھ جائے۔ اور آسٹھوں کو ناک کی نوک پر ٹیکائے۔ چیت اور اندریوں کو گوش
میں کر کے آتما شدھی کے لئے یوگ ابھیا س کرے۔

من کا سینہ

آگے فرماتے ہیں۔

प्रशान्तात्मा विगतभीर्ब्रह्मचारि ब्रते स्थितः ।
मनः संयम्य मच्चित्तो युक्त आसीत् मत्परः ॥

پر شانت آتما - وگت بھی - برہمچاری - ورتے - ستھتا

من - سینہ - چتو - یکت آسیت - مت پر ۱۷

ارکھ - ا بھیا سی کو چاہیے - کہ پورن شانتی کے ساتھ تیز بھجے ہو کہ برہمچریہ کے دُرت میں درٹھ رہ کر من کو مار کر میرا آشرالے کر میرا دھیان دھرے - ا بھیا س کرتے وقت من سے ہر قسم کی اُشانتی دُور کر دینی چاہیے - من کو برف کی طرح ٹھنڈا کر چاہیے - کسی قسم کا خوف من میں نہیں رہنے دینا چاہیے بالکل رز بے ہو کر ا بھیا س کرنا چاہیے - ا بھیا س کے دنوں میں برہمچریہ کا دُرت پورن طور سے رکھنے کی تاکید ہے -

پورن برہمچریہ کھٹن چیز ہے - اس شلوک کی ٹیکا کرتے ہوئے ہات گا ندھی جی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ برہمچریہ کے بَرت سے صرف دیرج کا اکٹھا کرنا ہی مقصود نہیں ہے - بلکہ ساتھ ہی بھتم کو پراپت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اہنسا - ستیتہ وغیرہ سبھی کا بَرت ہو -

برہمچریہ کے بَرت کے ساتھ من سے سکلپ و کلپ دُور کر کے پر بھو شانت لے کر پر ماتما کا دھیان کرے - دھیان سے یہ مراد ہے کہ من کو بالکل خالی کر دے - یعنی من کسی بھی دُشے کا چٹن نہ کرے -

چنانچہ دھیان شبد کے متعلق سانکھیہ شاستر کا ایک سُو تر ہے -

ध्यानं निर्विषयं मनः

(دھیانم - رزوشیم - سناہ)

ارکھ - جس میں من رزوشے ہو جائے - اسی کا نام دھیان ہے۔ من کو دشیوں سے ہٹا لینا - الگ کر لینا - من کو بالکل خالی کر دینے کا نام دھیان ہے۔

ابھیاس سے پنہ چلتا ہے کہ من کا بالکل خالی کر دینا کس قدر مشکل ہے کیونکہ من کی عادت ہے کہ ایک دشتے سے ہٹ کر دوسرے دشتے پر چلا جاتا ہے۔ دشیوں سے من کو بالکل ہٹا دینا دھیان کہلاتا ہے۔ یہ دھیان ہی سمدھی کا مکش ہے۔ سمدھی کی نشانی ہے۔ من جب دشیوں سے خالی ہو جائے گا - تو خود بخود پرمانا کی طرف بہ جائے گا۔ اور سمدھی لگ جائے گی۔

من میں ایک وقت ایک چیز سما سکتی ہے۔ دشتے یا پرمانا۔ جب تک من دشیوں کا دھیان نہیں چھوڑتا۔ وہ پرمانا کا چپتن نہیں کر سکتا۔

اسی موصوع پر خواجہ حافظ کا شعر ہے
خانہ خالی کن دلاتا منزل جانں شود
کیس ہوسنا کاں دل و جاں جائے دیگرے کند

ترجمہ - دل روپی گھر کو خالی کر دے تاکہ اس میں پیارا دوست یعنی پرمانا اپنا ٹھکانہ بنا سکے۔ دنیا دار لوگوں نے اپنے دل اور جان کو دنیاوی لذات میں لگا رکھا ہے۔ ان کا دل دنیاوی دشیوں سے بھر پور ہے۔ پرمانا ان کے

دل میں کیونکر آ سکتا ہے۔

کبیر بھگت جی بھی فرماتے ہیں

پریم گلی آتی سٹکڑی اس میں دونہ سما ہیں

پر بھو ہے تو میں نا ہیں میں ہوں تو پر بھو نا ہیں

ارکھ۔ پریم کا گوتھ بہت ہی تنگ ہے۔ اس میں دو نہیں سما سکتے۔ دل

میں جب تک خودی کا احساس ہے۔ تب تک پر بھو دُور ہیں۔ جب خودی مٹ

جاتی ہے۔ یعنی میں ہوں کا بھاؤ دُور ہو جاتا ہے۔ تب دل کے اندر پر بھو ہی

پر بھو بٹے ہیں۔

ادم شمس

لکھ چکے
ادھیا۔

۱۱

ارکھ
جوڑتا
پراپت

ہے۔
کا دوسرے

اوم شری پرما تھنہ

بھگوت پراپتی کیلئے عمر درکار ہے

کچھ مضمون میں آتم سیتھ **आत्म संयम** کے متعلق چند باتیں لکھ چکے ہیں۔ اور لوگ ابھی اس کا طریقہ بھی جیسا کہ شری بھگوت گیتا کے چھٹے ادھیائے میں وضاحت کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ بتا چکے ہیں۔
بھگوان فرماتے ہیں۔

युवत्रेवं सदात्मानं योगी नियतमानसः ।
शान्तिं निर्वाणपरमां मत्संस्थामधिगच्छति ॥

یونجن۔ ایوم۔ سدا۔ آتما نم۔ یوگی۔ نیت۔ پالسا
شا نتم مزوان۔ پرما۔ مت۔ سنظام۔ ادھی۔ گچتی ۱۵
ارکھ۔ اسی طرح جس کا سن، نیم میں ہے۔ ایسا یوگی آتما کو پرما ماک کے ساتھ جوڑتا ہے اور میری پراپتی میں ملنے والی موکش روپی پرما شانتی کو پراپت کرتا ہے۔

منش جوں جوں ابھیس کرتا جاتا ہے توں توں اس کی شاننی بڑھتی جاتی ہے۔ حتہ اکہ کرتے کرتے وہ انتہائی شاننی یعنی پرما شاننی کو پالیتا ہے جس کا دوسرا نام موکش یا مکتی ہے۔ اس منزل پر پہنچ کر آتما پرما ماک کے ساتھ جوڑ جاتی ہے

اس میں کے ہو جاتی ہے۔ وصل حاصل کر لیتی ہے۔

پر ماتا آئند کا بھنڈا رہے۔ وہ سنا آند ہے۔ جیو آتما بھی پر ماتا کے ساتھ
جڑ کر آئندت ہو جاتا ہے۔

ویاس مہی جی مہاراج کے ویدانت شا ستر کا سوتر ہے۔

आनन्दमयोऽध्यासात्

(آند مہیو۔ ابھیاسات)

ارکھ۔ پر ماتا آند نے ہے۔ یعنی آند سروپ ہے۔ یکل آند ہے۔

انیک شرتیاں یہی کہتی ہیں۔

جیو آتما سست اور چٹین ہے۔ اور پر ماتا سست اور چٹین اور آند ہے

اس لئے اس کو سست۔ چت۔ آند کہتے ہیں۔ اور ان لفظوں کو اکٹھا ملا کر سچا آند

پریشور کہتے ہیں۔ سادھارن جیو آتما میں آند نہیں ہے۔ البتہ لوگ ابھیاس

سے جیو آتما کو پر ماتا کے ساتھ بار بار جوڑنے سے اس میں بھی آند۔ اُپن ہو جاتا

ہے۔

چنانچہ ویدانت شا ستر کا ایک اور سوتر ہے۔

तद्वैतव्यपदेशात्

(تد۔ ہتو۔ ویدیشات)

ارکھ۔ سب جیوؤں کے آند کی پراپتی کا کارن برہم ہی ہے۔ برہم سے مل کر

ہی جیو آندت ہو سکتا ہے۔ دوسری طرح نہیں۔

مقناطیس میں سوئی کو اپنی طرف کھینچنے کی طاقت ہے مگر سوئی میں دوسری سوئی

۱۔ آند مجسم ۲۔ کارن

کو کھینچنے کی طاقت نہیں ہے۔ یہ عام تجربہ کی بات ہے۔ کہ سوئی کو مقناطیس پر بار بار اور طریقہ کے ساتھ رگڑنے سے سوئی میں بھی مقناطیسی اوصاف آ جاتے ہیں وہ بھی مقناطیس کی طرح دوسری سوئیوں کو اپنی طرف کھینچنے لگ جاتی ہے یہی حال جیو آتما کا ہے۔ جیو میں آئندہ کی کمی ہے۔ اور پرما آئندہ ہے۔ یوگ ا بھیاس کے ذریعے بار بار جیو کو پرما کے ساتھ ملانے سے۔ اس کے ساتھ جڑنا سے۔ جیو میں بھی آئندہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور بڑھتے بڑھتے یہ آئندہ پرما آئندہ یعنی انتہائی درجہ کا آئندہ ہو جاتا ہے۔ جس کو مکھش پامکتی یا پرما ستا متی یا پرما گتی یا پرما دھام بھی کہتے ہیں۔ اس درجہ تک پہنچنے میں کئی جنم لگ جاتے ہیں۔ چنانچہ بھگوان فرماتے ہیں۔

अनेकजन्मसंसिद्धस्ततो याति परां गतिम् ॥

انیک۔ جنم۔ سندھی۔ تنو۔ یا تی۔ پرما گتیم ॥
 ارہتھ۔ جیو آتما جنم جنم میں شدھ ہوتا ہوا انیک جنموں میں پورن شمشی کو حاصل کر کے پرما گتی پاتا ہے۔

یوگ ا بھیاس کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اس کے لئے بڑی محنت اور وقت کی ضرورت ہے اور دل میں پکا نشیجہ ہونا چاہیئے۔ کہ میں نے یہ کام ضرور کرنا ہے۔

کھڑا آپ نشد میں آیا ہے۔

धुरस्य धारा निशिता दुरत्यया

(دھیر سہ دھارا۔ نشیتا۔ دُرت۔ یا)

۱۔ سدھی ۲۔ وہ ۳۔ پاتا ہے ۴۔ چڑا ۵۔ تیز ۶۔ مشکل گذرا

ارکھتہ - یہ راستہ چھڑے کی تیز دھار کی طرح کھٹن ہے - جس طرح چھڑے کی تیز دھار پر چلنا مشکل ہے - عین اسی طرح یوگ اہیاس بھی مشکل ہے -
پھر آیا ہے -

दुर्गं पथस्तत्कवयो वदन्ति

(دُرگم - پتھ - تَت - کو یو - و د ن ت)

ارکھتہ - دِووان لوگ اس راستے کو دُرگم مارگ کہتے ہیں - یعنی کھٹن راستہ جہاں کوئی دِولاہی چل سکتا ہے -

گوردگرنٹھ صاحب میں بھی یوگ کے راستے کو بہت کھٹن بتایا گیا ہے
چنانچہ گوردجی مہاراج لکھتے ہیں -

کھٹوں تکھی - والوں کی

یعنی پر ماتا کو پہنچنے کا راستہ اُسترے کی دھار سے بھی تیز ہے - اور بال سے بھی باریک ہے -

اگر پر ماتا کو پہنچنے کا راستہ مشکل ہے تو خزانہ بھی تو بیش بہا ہے
گوردگو بند سنگھ جی کا فرمان ہے -

سر دیتیاں جھڑب ملے تاں وی ستا جان

یعنی اگر سر دینے سے بھی پر ماتا مل جائے تو بھی یہ سودا سستا سمجھنا چاہیئے -

پر ماتا سے بڑھ کر اور کوئی قیمتی چیز نہیں ہے - مگر اس تک پہنچنے میں بہت ہی محنت اور دیر لگتی ہے -

اسی خیال کو سر محمد اقبال نے یوں ادا کیا ہے۔ فرماتے ہیں ہے
 تو عیارِ کم عیاراں تو قرارِ بے قراراں
 تو دوائے دلِ نگارِ اں مگر ایں کہ دیر یا آتی
 ترجمہ۔ اے خدا! تو کھوٹے کھرے دلوں کو کسوٹی پر پرکھنے والا ہے
 تو بے قرار دلوں کو قرار دینے والا ہے۔ تو زخمی دلوں کے لئے مرہم ہے۔
 تجھ میں سب خوبیاں موجود ہیں۔ البتہ ایک دقت ہے کہ تو بڑا بہت دیر سے
 ہے۔ تمہیں حاصل کرنے کے لئے بڑی محنت کرنی پڑتی ہے۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں ہے

اہر من اندر جہاں ارزاں ویزداں دیرباب
 یعنی شیطان تو ہر وقت ہمارے ملنے کے لئے تیار بیٹھا ہے۔ مگر خدا
 بڑی مشکل سے ملتا ہے۔ دھیان کرنے کی دیر ہے کہ شیطان بھاگ آتا ہے
 گریبانِ ما کی پراپتی میں عمر درکار ہے۔

بے قیمت چیز یا بڑی چیز ہر وقت اور بہت آسانی سے مل جاتی ہے
 مگر قیمتی اور اچھی چیز کے حاصل کرنے کے لئے بڑی محنت درکار ہوتی ہے۔
 ہندوستان کے مشہور صوفی سرمد کا فرمان ہے

عمرے باید کہ یار آید بکنار
 کہیں دولتِ سرمد ہم کس رازدہند

ترجمہ۔ دوست کے وصال کے لئے ایک عمر درکار ہے۔ یہ دوا می خزانہ۔ یہ ہمیشہ
 رہنے والی دولت ہر شخص کے نصیب میں نہیں آتی۔ ادم شمس

۱۔ کھنڈ والا ۲۔ زخمی دل ۳۔ دیر سے ملتا ہے ۴۔ شیطان ۵۔ خدا ۶۔ ہمیشہ رہنے والی

ادم شری پرمانے نہ

شدھ بھاونا یا نیک نیتی

من کے تپ کے بارے میں کچھ مصنفوں میں بتا چکے ہیں کہ من کی پرستار ہر وقت چت کا منڈا رکھنا۔ کم بولنا۔ اور من کو دوش میں لانا۔ بین کے تپ کہاتے ہیں۔ ان چار تپوں کے بعد من کا پانچواں تپ ہے۔ بھاو شدھی (भाव संशुद्धि) یعنی شدھ بھاونا یا نیک نیتی۔

نیت کانیک ہونا من کا آخری تپ ہے۔ جس کام میں بھی انسان ہاتھ ڈالے۔ جس کام کا بھی وہ ارادہ کرے۔ من میں جو بھی سذکپ کرے۔ اُسے چاہیے کہ بھاونا شدھ رکھے۔ نیک نیتی سے ہی سارے کام انجام دیوے نیک نیتی من کے لئے بڑا بھاری تپ ہے۔

ہر انسان اپنی نیت کی کمائی کھاتا ہے جس نیت سے وہ کوئی کام کرتا ہے۔ اسی قسم کا ہی اُسے پھل ملتا ہے۔ نیت ہی انسان کے اعمال کا بیج ہے۔ عام محاورہ ہے۔

جیسی نیت ویسی مِراو

ترجمہ۔ نیت کے مطابق ہی ہر شخص کو مِراو ملتی ہے۔

یہ اسٹل قانون ہے۔ بُری نیت سے بُرا پھل ملتا ہے۔ اور اچھی نیت سے اچھا پھل۔ یہ نہایت ہی ضروری امر ہے۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں آ سکتی۔

نیت کے لئے بڑی قابلیت کی ضرورت نہیں۔ چنداں دماغ کی گنجائش نہیں۔ نیت اور چیز ہے۔ قابلیت اور چیز ہے۔ نیت کا تعلق ضمیر سے ہے۔ اچھی اور بُری نیت کے دھارن کرتے وقت خود ہمارا دل گواہی دیتا ہے کہ اس کام میں میری نیت اچھی نہیں تھی۔ اور خوبی یہ ہے کہ ہماری نیت کا عکس دوسرے کے دل پر بھی فوراً پڑ جاتا ہے۔ دل کو دل پہنچاتا ہے۔ دوسرے شخص کو فوراً پتہ چل جاتا ہے کہ فلاں شخص کی نیت میں فرق ہے۔ نیت کا پر بھاد ضرور دوسرے کے دل پر پڑ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ چھوٹی عمر کے بچے بھی دوسرے کی نیت پہچان جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دل سے پیار کرنے والوں کے ساتھ فوراً پیار کرتے ہیں۔ اور جن کے دل میں اُن کے لئے سچا پیار نہیں ہوتا جو فقط ظاہر داری سے اور بنا دُٹی طور پر اُن سے پیار کرتے ہیں۔ بچے اُن کی نیت کو فوراً بھانپ جاتے ہیں۔ اور اُن کی طرف بہت مائل نہیں ہوتے۔ چھوٹی عمر کے بچوں کے ساتھ سانپ کھیلتا ہے۔ اُن کو کوئی ایذا نہیں پہنچاتا۔ سانپ کے دل میں احساس ہے۔ کہ یہ بچہ میری طرف کوئی بُرا ارادہ نہیں رکھتا۔ اس کی تسلی ہے۔ کہ بچے کی نیت اس کے حق میں بُری نہیں ہے۔ اس کو بچے سے کسی قسم کا خدشہ نہیں ہے۔ لہذا وہ بھی بچے کے ساتھ کھیلتا ہے اور پیار کرتا ہے۔ بچے کی نیت کیونکہ صاف ہے۔ سانپ بھی اس کی طرف

صاف بنتی کا برتاؤ کرتا ہے۔

برعکس اس کے جوان آدمیوں کو سانپ ڈنگ مارتا ہے۔ جوان آدمی جو ہنی سانپ کو دیکھتے ہیں۔ فوراً ان کے دل میں اُسے مارنے کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔ ان کا یہ بھاد سانپ پر بھی اپنا اثر ڈالتا ہے اور وہ پیش قدمی کر کے اس آدمی کو دس لیتا ہے۔

چنانچہ شیخ سعدی صاحب ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

ازاں مار بر پائے راعی زند

کہ تر سد سرش را بہ کوئد بہ سنگ

ترجمہ۔ سانپ کو ڈر ہے کہ چرواہا اس کے سر کو پتھر سے کچل دے گا اسی لئے وہ چرواہے کو فوراً دس لیتا ہے۔

سانپ جیسی زہریلی چیز کے دل پر ہمارے دل کی بھادنا کا اثر پڑتا ہے۔ انسانوں کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ انسان کے ہر دے کی بھادنا بڑی چیر ہے بدبنتی سے جو کام کیا جائے۔ وہ مضور بٹا رنگ لاتا ہے۔ چاہے اس کے کاٹنا کرنے میں لاکھ بتیں کیوں نہ کیا جائے۔

کھٹے آم کی گھٹلی کو اگر دودھ سے سپنچا جائے تو بھی اس کے پیڑ پر بیٹھے آم کبھی نہیں گم سکتے۔ نیت اسی ہر کام کا بیج ہے۔ اور بیج کے مطابق ہی درخت کی شاخیں پڑتی ہیں۔ اور پھل نکلتے ہیں۔ اس میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہیں ہے۔

عام طور پر کہا جاتا ہے۔ کہ نیت کشتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس

سنار روپی سمندر میں اچھی نیت والا آدمی گویا اچھی کشتی میں سوار ہے جو اسے ضرور کنارے پر صبح و سلامت لے جائے گی۔ بری نیت والا شخص گویا بوسیدہ اور پرانی کشتی میں سوار ہے۔ جو اسے ضرور ڈبو دے گی۔ لہذا اگر ہماری خواہش ہے کہ اس سنار روپی سمندر میں سے امن و امان سے پار ہو جائیں تو ضروری ہے کہ اپنی نیت کو صاف رکھیں۔ بھادنا کو شُدھ رکھیں۔ نیت صاف تو بیڑا پار ہے ورنہ آدمی ضرور سجدہ ہار میں غرق ہو جائے گا۔ اسی واسطے تو شرمید بھگوت گیتا میں شُدھ بھادنا کو من کا تپ قرار دیا گیا ہے۔

فوجداری قانون میں جرم کی پرکھ مجرم کی نیت سے ہی کی جاتی ہے۔ ہر مقدمہ کی سماعت میں اس بات کی بڑے غور و خوض سے جانچ کی جاتی ہے کہ مجرم کی نیت کیا تھی۔ مجرمانہ تھی یا نہ۔ مثال کے طور پر اگر ایک شخص اپنے بچے کو غلطی سے ایک دوائی کی جگہ دوسری دوائی پلا دیتا ہے۔ اور وہ بچہ مر جاتا ہے۔ تو قانون اس کی گرفت نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کی نیت مجرمانہ نہیں تھی۔ اس کے برعکس اگر ایک شخص دوسرے کو مار ڈالنے کی غرض سے اس کے بستری میں سانپ چھوڑ دیتا ہے۔ مگر اتفاق سے دوسرا آدمی بچ جاتا ہے تو پہلے شخص کی طرف سے جرم سرزد ہو چکا ہے۔ اس کی نیت مجرمانہ تھی۔ اور قانون اس کی پکڑ کرتا ہے۔

اسی حیل سے عربی زبان میں بھی کہا گیا ہے۔

”جُرم بالنیّت“

جُرم یا بے جُرمی انسان کی نیت پر منحصر ہے۔ مجرمانہ نیت ہے تو جُرم

سرسزد ہو چکا ہے۔ درنہ نہیں۔

انگریزی زبان میں کہا گیا ہے۔

“Intention determines crime”

ترجمہ۔ نیت ہی سے جرم کا تصفیہ ہوتا ہے۔

لہذا اگر شندھ بھادنا کے ساتھ کوئی کام کیا جاوے۔ اگر اس میں نیک نیتی برتی جاوے۔ اور کسی وجہ سے کام میں کسی قسم کا خلل پڑ جائے تو نہ تو گورنمنٹ کا قانون اس کی گرفت کرتا ہے اور نہ خدائی قانون۔ کیونکہ انسان کی اندرونی نیت پر ہی ہمارے باپ اور پٹن کا دار و مدار ہے۔

ہمارے من پر جنم جنم انتروں کی میل چڑھی ہوئی ہے۔ یہ من ایک آئینہ تھا مگر میل سے سیاہ ہو کر توڑے کی مانند ہو گیا ہے۔ اس چند روزہ زندگی میں ہمیں چاہیے۔ کہ اس کو پہلے کی نسبت زیادہ میلا نہ کریں۔ بلکہ جہاں تک ہو سکے۔ اس کو صاف کریں۔ اس کو صیقل کریں۔ من کی صفائی کیلئے سب سے مفید سا دھن بھادنا کی شندھی ہے۔ نیک نیتی بہت جلد ہی من کو دھوکے رکھ دیتی ہے۔ ہم پر فرض ہے کہ ہر دم اور ہر کام میں اپنی نیت کو شندھ رکھنے کی کوشش کریں اس سے سب کام خود بخود سہل ہو جائیں گے۔ بلکہ شندھ بھادنا سے تو ایشور کی پڑپتی میں بھی دیر نہیں لگتی۔

گورو گرنتھ صاحب کا داک ہے

بلدیاں ڈھل نہ ہوں دی مجھے نیت راس کرے

ارتھ۔ اے انسان! اگر تو اپنی نیت کو راس یعنی ٹھیک کر لے۔ کسی کی بھی

برائی نہ چاہے۔ اور سچے دل سے پرمانا کو ملنے کی اچھا کرے۔ تو پرمانا کے ملنے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ۵

گھر بیٹھیاں نانک رب ملے بچہ نیت ہو دی راس
ارٹھ۔ اگر تیری نیت صاف ہے تو نہیں گھر میں بیٹھے بھائے ہی پر بھوکے درشن
ہو جائیں گے۔ تمہیں جنگوں اور تیر گھنوں میں جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔
شدھ بھادنا کا ہونا بہت ہی ضروری ہے اور اس کا لا بد بھی بڑا ہے
اس سے بڑھ کر من کا اور کوئی تپ نہیں ہے

لہذا پڑھنے والوں کی سیرا میں بھی پرارتھنا ہے۔ کہ ہر وقت اپنی
بھادنا کو شدھ رکھنے کی کوشش کریں۔ چند ہفتوں میں ہی اس کا اثر اُن
پر خود بخود ظاہر ہو جائے گا۔

ادم شمس

ادم شری پرمانے منہ

تپ تین پرکار کا ہوتا ہے

ساتوک - راجک - تامک

جسم بانی اور من کے ثنوں کا ذکر وضاحت کے ساتھ کیا جا چکا ہے
پڑھنے والوں کی سہولیت کے لئے ان کو پھر دہرایا جاتا ہے۔

بھگوان کرشن چندر جی بہاراج ارجن سے فرماتے ہیں۔ کہ اے ارجن!
دیوتا۔ برہمن۔ گرد اور ماتا پتا کی پوجا۔ صفائی۔ سرتنا یعنی راست بازی۔ بھجپ
اور اہنسا یعنی بے آزاری یہ جسم کے تپ کہلاتے ہیں۔

میٹھا بولنا۔ ستیہ یعنی سچائی۔ پیارے اور من بھاؤ نے مشبدوں کا
بولنا۔ دھرم گرتھوں کا پڑھنا اور ادم کا ابھیا س یہ بانی یعنی زبان کے تپ کہے
گئے ہیں۔

من کی پرستنا یعنی دکھ سکھ میں من کو یکساں رکھنا۔ ہر وقت چاند کی
چاندنی کی طرح ٹھنڈا رہنا۔ کم بولنا۔ من کو دوش میں رکھنا اور بھادنا کی شدھی
یعنی نیک نیتی یہ من کے تپ کہلاتے ہیں۔

اس سے اگلے شلوک میں بھگوان فرماتے ہیں۔ کہ اے ارجن! یہ تینوں تپ تین
تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ساتوک۔ راجس اور تاس۔ جسم کے تپ ساتوک

راجس اور تانس ہیں۔ اسی طرح بانی اور سن کے نپ بھی سانوک۔ راجس اور تانس ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں۔

श्रद्धया परया तप्तं तपस्तत्त्रिविधं नरैः ।
अफलाकाङ्क्षिभिर्युक्तैः सात्त्विकं परिचक्षते ॥

شردھیا۔ پریا۔ تپتم۔ تپس۔ تپ۔ برزودھم۔ نرے
اپھل۔ انکا۔ کھبھی۔ یکتے۔ سانوک۔ پر حکمشے ۱۴
ار تھ۔ ہے ارجن! جو شخص ان اوپر لکھے ہوئے تین پرکار کے تپوں کو
پریم شردھا کے ساتھ کرتا ہے۔ اور پھل کی اچھا کو چھوڑ کر اور سم بھاد
سے یکت ہو کر تپ کرتا ہے۔ اس کا تپ سانوک ہے۔

نپ کو سانوک کی بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس نپ کو پریم شردھا
سے کیا جادے۔ ورنہ وہ نشپھل ہو جاتا ہے۔ بھگوت گیتا کے ستارہ میں
ادھیاے کے اخیر میں بھگوان خود فرماتے ہیں کہ شردھا کے بغیر جو دان
ویا جادے یا جو نپ تپا جائے یا جو کچھ بھی کیا جادے وہ سب ضائع ہے
اس کا نہ اس لوک میں پھل ملتا ہے اور نہ پر لوک میں۔

جہاں نپ شردھا سے کرنا چاہیے وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ پھل
کی اچھا کو چھوڑ کر کرنا چاہیے۔ نہیں تو نپ سانوک نہیں رہتا۔ پھل
کی لالسا رکھنے سے نپ راجس ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ پھل
کی خواہش نہ رکھنے سے نپ کا پھل بھی ضائع ہو جائے گا۔ بلکہ جس نپ

۱۔ پھل نہ چاہتا ہوا ۵۔ کہتے ہیں

میں پھل کی خواہش نہ کی جائے۔ اس کا پھل ضرور ساتوک بنتا ہے۔ اس سے آتمک سکھ اور گیان پراپت ہوتے ہیں۔

تپ کو ساتوک بنانے کی تیسری شرط یہ ہے کہ ستم بھاد سے یکت ہو کر کیا جادے۔ تپ کا اثر کافی مدت کے بعد جا کر نکلتا ہے اور اگر شروع شروع میں تپ بے اثر محسوس ہو یا اس میں ناکامیابی ہو تو اس سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے اور ابھیس کو برابر جاری رکھنا چاہیئے۔ اگر کوئی کامیابی کی صورت دکھائی دے جائے یا تپ کرنے سے کسی سدھی کی پراپتی ہو جائے تو اس میں پھون نہیں چاہیئے۔ کامیابی اور ناکامیابی دونوں صورتوں میں یکساں رہ کر آدمی کو چاہیئے کہ جسم۔ بانی اور من کے تپ میں لگا رہے تب جا کر وہ تپ ساتوک تپ ہوگا۔

کن کن صورتوں میں تپ راجسی ہو جاتا ہے۔ اس کے متعلق بھگوان فرماتے ہیں۔

सत्कारमानपूजार्थं तपो दम्भेन चैव यत् ।
क्रियते तदिह प्रोक्तं राजसं चलमध्रुवम् ॥

سنگار۔ مان۔ پوجا رتھم۔ تپو۔ دھمبھین۔ چو۔ بیت

۱۶/۱۸

کرتے۔ تدھی۔ پردگتم۔ راجسم۔ چلم۔ ادھروم

ارنخ۔ جو تپ سنگار۔ مان اور پوجا کر نیکی خاطر کیا جائے۔ اور جو فریب دینے کی غرض سے کیا جائے۔ وہ راجسی تپ کہلاتا ہے۔ ایسا تپ استھو ہے۔ اور انشچیت ہے۔

اگر تپ کرنے والے کے دل میں یہ خیال ہے کہ لوگ اُسے تپسوی جان کر اس کا ستکار کریں اس کی عزت کریں۔ اور اس کی پوجا کریں تو ایسے شخص کا تپ راجسی تپ ہو جاتا ہے اور اس کا پھل آتمک سکھ اور گیان کی بجائے ابھیمان اور تکبر ہوتا ہے۔ جو تپتیا کرنے والے کے حق میں بہت ہی نقصان پہنچانے والا ہوتا ہے۔

بعض تپسوی لوگ فریب دینے کی خاطر تپ کرتے ہیں۔ کرتے مفلور ہیں اور جتنا تپ بہت ہیں۔ یہ مکر ہے۔ وہو کا ہے۔ ایسے تپ سے فائدہ کی بجائے اُن نقصان ہوتا ہے۔ چنانچہ بھگوان نے ایسے تپ کے متعلق اوپر والے شلوک میں دو لفظ استعمال کئے ہیں۔ جو قابلِ غور ہیں۔ **चलम** (چلم) اور **अध्वम** (ادھووم) یعنی دکھاوے کی خاطر کئے ہوئے تپ کا پھل چلاؤان ہوتا ہے اور ناپختہ ہوتا ہے اور جلدی نشٹ ہو جاتا ہے۔

آتش بازی کے کھیل کی طرح راجسی تپ تھوڑی دیر کے لئے اپنی چمک دکھاتا ہے۔ اور ہنگامی کی مانند جلدی ناش ہو جاتا ہے۔ راجسی تپ میں تکلیف تو ساتو تک تپ جتنی ہوتی ہے مگر پھل اُلٹا ہوتا ہے۔ کیونکہ تپ کرنے والے کے دل میں بڑائی اور مان کے خیال نے گھر کیا ہوا ہے اور جس کام میں دکھاوے اور ظاہر داری کا خیال ہوگا۔ اس میں ضروری دکھ پراپت ہوگا۔ یہ نیم اٹل ہے۔ کیونکہ

रजसस्तु फलम दुःखम्
(رجس - تو - پھلم - دکھم)

رجوگن سے جو کچھ کیا جائے اس کا پھل دُکھ ہوگا۔ یہ داک بھگوت گیتا کے چودھویں ادھیائے میں آیا ہے۔
سانوک اور راجک تپ کے بعد بھگوان تامسی تپ کا درجن کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

मूढग्राहिणात्मनो यत्पीडया क्रियते तपः।
परस्योत्सादनार्थं वा तत्तामसमुदाहृतम् ॥

موڑاھ۔ گراہنڑ۔ آتمو۔ ریت۔ پیڑیا۔ کریتے۔ تپا
پرسید۔ اوتساو نارقم۔ دارت۔ تاسم۔ اداہرتم ۱۶
ارقم۔ ہے ارجن! جو تپ کشت سہہ کر دمو رکھتا ہے کئے جائیں اور
جو دوسرے کو ناش کرنے کی خاطر کئے جائیں۔ وہ تامس تپ
کہلاتے ہیں۔

کئی ایک لوگ اپنے ہمسائے کو مالی نقصان پہنچانے کی غرض سے
یا اس کے بال بچوں کی مانی چاہتے ہوئے تپ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں
کے تپ تامسی تپ ہیں۔ اور ان کا پھل انتہائی دُکھ۔ اگیان اور مو رکھنا ہو
جو تپ کرنے والوں کو ہی ملتا ہے۔ ایسے تپ انسان کے جنم کو بھرشٹ کر کے
اُسے پنج یونی میں ڈالنے کا باعث بنتے ہیں۔

شتریر (جسم)۔ بانی (زبان)، اور من ان تینوں کے تپ سانوک۔ راجس
اور تامس ہو سکتے ہیں۔ اس کا دار و مدار فقط تپ کرنے والے کی نیت پر
ہے۔ تپ کرنے والا اگر چاہے تو اپنے تپ کو سانوک بنا سکتا ہے۔ جو

اُسے ہمیشہ کے لئے سکھ دے سکتا ہے۔ چاہے تو اسی تپ کو راجسی بنا کر دکھ اٹھانے کا حقدار بن سکتا ہے۔ اور چاہے تو اُسے تاسی بنا کر اپنے لئے اگیان اور جہالت کا سامان پیدا کر سکتا ہے۔

لہذا اس پُستک کے پڑھنے والوں کی سیوا میں یہی پراگھنا ہے کہ وہ جسم۔ زبان اور من کے تپ کریں۔ شر دُعا سے اور پھل کی اچھا کو چھوڑ کر تپ کریں۔ تاکہ اُن کا تپ ساتوک ہو اور انہیں سکاساتوک پھل پر اپت ہو اس کتاب کے شروع میں کچھ آئے ہیں کہ تپ سے لاج اور

بھوک سے روگ پیدا ہوتے ہیں۔ تپ میں ہی شخصی یا قومی یا ترقی کاراز چھپا ہوا ہے۔ ایک وقت وہ تھا کہ بھارت درشن تپ بھومی کے نام سے مشہور تھا۔ اور یہاں کے لوگ تپ کے بل سے علم و مہر ہیں دُنیا بھر میں یکتا تھے۔ مگر آج کیا حالت ہے۔ اہل ہند تپ کا جیون بالکل بھول چکے ہیں۔ اُمید یہی وجہ اُن کی انتہائی گراؤٹ اور تمیزی کی ہے۔ یہ تپ کا جیون ہے جو پھر سے ان کو اس پستی کے گڑھے سے باہر نکال کر ترقی کے زینہ پر لے جا سکتا ہو

بہ الفاظ شاعرے

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا
ادم شمس

ادم مت ست۔ ادم تن ست۔ ادم مت ست

گیتا امرت المعروہ اکسیر روح

مُصَنَّف

چودھری روشن لعل ایم۔ اے۔ اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر ملتان

کے متعلق

ڈاکٹر سر گول چنڈ نارنگ ایم۔ اے۔ پلڈیچ ڈی سلیٹ وزیر گورنمنٹ پختا

کی

قابل قدر رائے

”اس کتاب میں چودھری صاحب نے جگوت گیتا کا عطر نکال کر رکھ دیا ہے اور اس کی حقیقی تعلیم پر نہایت خوش اسلوبی سے روشنی ڈالی ہے۔ نیز شلوکوں کے ساتھ ساتھ مختلف بزرگوں اور شعراء کے اقوال و اشعار کا حوالہ دے کر مضامین کو حد درجہ دلچسپ رنگین اور دلآویز بنا دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سری کرشن جی ہمارا ج کی بیش بہا تعلیم کا یہ دلکش خلاصہ ہندو بھائیوں کے لئے بہت کارآمد ثابت ہو گا۔“

غرض رفاء عام قیمت معمولی رکھی گئی ہے۔

اُردو ہندی ہر دو ایڈیشن ۶ رنی جلد علاوہ محصول ڈاک ۲

میسرز وزیر چند شرم اینڈ سنز موہن لعل روڈ۔ لاہور
بھائی گیلارام اینڈ سنز کپ بازار ملتان شہر

گیتا پرکاش

مُصَنَّف
چودھری روشن لعل ایم۔ اے۔ اکٹرا اسٹنٹ کمشنر ملت ان

کے متعلق
پوجیہ پادشہری مہاتما ہنس راج جی ہماراج کی قیمتی رائے
”گیتا پرکاش میں جو مضمون درج ہیں۔ ان کی تہ میں بھگوت گیتا کا مطالعہ

شہری کرشن جی ہماراج نے دید۔ اُدیشہ دُپنی گٹ کے دودھ سے ارجن رُپنی
بچھڑے کی چوپرورش کی تھی۔ اُسی دودھ میں سے کچھ حصہ چودھری صاحب کے
نصیب میں بھی آیا ہے۔ اس دودھ سے ان کی آتما میں جو روحانیت پیدا ہوئی ہے
اس کا پرکاش اس گیتا پرکاش میں پایا جاتا ہے۔ وہم کی اعلیٰ سے اعلیٰ باتیں بڑی
آسان عبارت میں درج کی گئی ہیں۔ ہر ایک شخص جو دہرم سے پریم رکھتا ہے۔ اس کتاب
کے ذریعہ بغیر کسی تکلیف کے بھگوت گیتا کے اُپدیش میں سے لا بہ اٹھا سکتا ہے۔“

بہرمن رفاہ عام قیمت معمولی رکھی گئی ہے۔

اُردو ایڈیشن ۶ ہندی ایڈیشن ۸ فی جلد علاوہ موصولہ ۲

ملنے کا پتہ

میسرز وزیر چند سنرما اینڈ سنر موہن لعل روڈ۔ لاہور
بھائی گیلارام اینڈ سنر کپ بازار۔ ملتان شہر

ضروری اطلاع

چودھری روشن لعل صاحب کے قلم معرفت رقم سے لکھے ہوئے جس قدر مضامین "دلش بھگت" اخبار میں شائع ہوئے تھے۔ ان کے تین حصے کر دیئے گئے ہیں۔ پہلا حصہ 'گیتا پرکاش' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ دوسرا حصہ جہیں ۳۶ مضامین ہیں 'گیتا گیان' کے نام سے چھپوایا گیا ہے۔ تیسرے اور آخری حصہ کو 'گیتا رتن' کے نام سے عنقریب شائع کیا جائے گا۔ شائقین منتظر رہیں۔

نیا زمند

بہاری لعل جگیا سو

پوست کالاب
پرسکول کنگڑی

پکوارٹ پرنٹنگ ورکس ایسٹ روڈ ناہرویس باہتمام لاہور انڈیا پبلیشرز چھپایا۔ اور بھگت بہاری لعل جگیا سو رشتائے خصلہ دار انڈیا اخبار "دلش بھگت" ملتان نے شائع کیا

پر رقصا


سختی یا سہ کا منظوم ترجمہ

این دیکھیں آسمانوں میں ہے - این دیکھیں و فضاؤں کے ہیں
عبر دریں دین دیکھیں ہوں قائم این دیکھیں تو ہواؤں کے ہیں

این دیکھیں سبزہ و اشجار میں این دیکھیں روشن قسمت کے تھے
ادب ہم کو این دیکھیں خدا این دیکھیں کی حکومت کا سوا
جائے بس این آں دیکھیں میں !

نوردم

Entered in Database

 Signature with Date



